عمرِ ثانی قدم بہ قدم

و دیگر کہانیاں

عبداللہ فارانی

الحجاز پبلشرز

عمرِ ثانی

قدم بہ قدم

ودیگر کہانیاں

عبداللہ فارانی

ناشر

الحجاز پبلشرز

نام کتاب............عمر ثانی قدم بہ قدم
مؤلف............عبداللہ فارانی
تاریخِ طبع............صفر 1430ھ/فروری 2009ء
ناشر............الحجاز پبلشرز

ملنے کا پتا
دکان نمبر 8، امین مارکیٹ
نزد مدرسہ بنوری ٹاؤن، نیو ٹاؤن، کراچی
0321-3623350

فہرست

عرض ناشر

بحمد للہ کتاب ''عمر ثانی قدم بہ قدم'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، الحجاز پبلشرز کی جانب سے ہے۔ تاریخ کی کتاب کی اہمیت سے کون واقف نہیں؟ ایک بڑے خلیفہ اور بزرگ کے حالات کو جاننے کے لیے اور عظیم شخصیت کی تاریخ سے واقفیت کے لیے بھی مطالعہ بہت ضروری ہے، اس لیے ہر دور میں اس اہم موضوع پر گراں قدر کام ہوتا رہا ہے۔

پیشِ نظر کتاب جناب عبداللہ فارانی صاحب نے مستند کتب تاریخ سے ماخوذ کی ہے جو بہت ہی سہل انداز میں تالیف کی ہے اور یہ کتاب بڑوں، بچوں، خواتین کے لیے بے فائدہ لٹریچر کی بجائے اس کتاب کا مطالعہ ان کی شخصیت نکھارنے میں ان شاء اللہ بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کوشرفِ قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خواب دیکھ رہے تھے۔ خواب سے بیدار ہوئے تو آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ سے خواب کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

''میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا، اس کی پیشانی پر زخم کا نشان ہوگا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔''

اس خواب کے بعد آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

''میری اولاد میں سے وہ کون ہے...... جو زخمی پیشانی والا ہوگا۔''

دراصل اس وقت آپ کی اولاد میں سے کسی کی پیشانی پر بھی زخم کا نشان نہیں تھا۔ لہٰذا اس خواب کی تعبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی...... لیکن یہ خواب تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا...... کسی عام آدمی کا خواب تو تھا نہیں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ اس کی کوئی تعبیر نہ ہو۔

دوسری طرف آپ نے ہدایت فرمادی تھی کہ آپ کی اولاد میں سے کوئی خلیفہ نہیں بنے گا۔ یعنی آپ نے اپنی اولاد کو خلافت سے محروم کردیا تھا۔ آپ نے جب یہ خواب اپنے گھر والوں کو سنایا تھا تو خوشی تو انھیں بھی ہوئی تھی، لیکن تعبیر سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ البتہ اب سب لوگ خواب کی تعبیر کا انتظار کررہے تھے۔ آپ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو اکثر اپنے والدِ محترم کا قول دہرایا کرتے تھے۔

''کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ حضرت عمر کی اولاد میں سے وہ کون ہے جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا، وہ میری سیرت کو اپنائے گا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات گشت پر تھے۔ آپ نے کسی عورت کو کہتے سنا:

''بیٹی دودھ میں پانی ملا دے۔ صبح ہونے والی ہے۔''

جواب میں لڑکی کی آواز سنائی دی:

''ماں! میں دودھ میں پانی کیسے ملاؤں۔ امیر المومنین نے تو دودھ میں پانی ملانے سے منع کر رکھا ہے۔''

اس پر ماں کی آواز سنائی دی:

''امیر المومنین کون سا دیکھ رہے ہیں۔''

بیٹی کا جواب سنائی دیا۔

''ماں! امیر المومنین نہیں دیکھ رہے تو اللہ تو دیکھ رہا ہے۔''

لڑکی کی باتیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ صبح ہوئی تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت عاصم کو بلا کر رات کا واقعہ سنایا اور فرمایا:

''جاؤ! پوچھو! وہ لڑکی کون ہے۔''

حضرت عاصم گئے۔ معلوم ہوا، اس لڑکی کا تعلق بنی ہلال سے ہے۔ انھوں نے آکر والدِ محترم کو بتایا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بیٹا جاؤ! اس لڑکی سے نکاح کر لو...... وہ یقیناً اس قابل ہے کہ اس سے ایک ایسا شخص پیدا ہو جو سارے عرب کی قیادت کرے۔''

والدِ محترم کا حکم سن کر حضرت عاصم نے اس لڑکی سے نکاح کرلیا۔ اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس بچی کا نکاح عبدالعزیز بن مروان بن حکم سے ہوا۔ ان سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔

آپ مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کی والدہ کے چچا تھے۔ ان کے پاس سے واپس اپنی ماں کے پاس آتے تو ان سے کہتے:

''ماں! میں اپنے ماموں (یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) جیسا بننا چاہتا ہوں۔''

ماں یہ سن کر کہتیں:

''چل ہٹ! تو اور اپنے ماموں جیسا بنے گا۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کچھ بڑے ہوئے تو ان کے والد عبدالعزیز بن مروان مصر کے گورنر بنا دیے گئے۔ ان کے بڑے بھائی عبدالملک بن مروان اس وقت امیر المومنین تھے۔

آپ کے والد تو مصر چلے گئے۔ بعد میں انھوں نے اپنی بیوی کو بھی مصر بلا لیا۔ وہ بچے کو لے کر مصر جانے لگیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''اس بچے کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔''

چنانچہ آپ کو ماموں کے ہاں چھوڑ دیا گیا۔ والدہ مصر چلی گئیں۔ عبدالعزیز نے بچے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا:

''بچے کو ماموں نے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔''

یہ سن کر عبدالعزیز نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور یہ بات انھوں نے اپنے بھائی امیر المومنین عبدالملک بن مروان کو لکھ بھیجی۔ عبدالملک نے ان کا ایک ہزار دینار ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد آپ اپنے والد سے ملنے مصر آئے۔ اپنے بھائی اصبغ بن عبدالعزیز کے ساتھ گھوڑے دیکھنے کے لیے اصطبل میں چلے گئے اور ایک گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ گھوڑا شوخ تھا۔ اس نے اپنے سوار کو نیچے گرا دیا۔ آپ کی پیشانی پر چوٹ لگی اور خون تیزی سے بہنے لگا۔ آپ کے بھائی اصبغ نے جو یہ دیکھا تو بجائے گھبرانے اور پریشان ہونے کے زور زور سے ہنسنے لگے۔ عبدالعزیز بن مروان کو معلوم ہوا تو دوڑ کر آئے...... دیکھا کہ ان کا چھوٹا بیٹا بھائی کے بری طرح زخمی ہونے پر قہقہے لگا رہا ہے۔ انھوں نے غصے میں آ کر کہا:

''تمہارے بھائی کی پیشانی پر زخم آ گیا...... زخم سے خون بہہ رہا ہے اور تم ہنس رہے ہو۔''

اس پر اصبغ نے کہا:

''بابا جان! یہ بات نہیں ہے کہ نہ تو میں ان کے گرنے پر پریشان ہوں، نہ چوٹ لگنے پر...... اصل بات یہ ہے کہ ہمارے گھرانے میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک پیشانی پر زخم کے نشان والا عدل و انصاف سے زمین کو بھر دے گا...... اور آج تک ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کون ہے...... سو آج معلوم ہو گیا...... وہ یہی میرے بھائی ہیں...... تو آج اس خواب کی تمام علامتیں پوری ہو گئی ہیں...... اللہ کی قسم! یہی بنی امیہ کے زخمی پیشانی والے ہیں۔''

عبدالعزیز بن مروان یہ سن کر خوش ہوئے اور بولے:

''جس شخص سے یہ امیدیں ہوں...... اس کی تعلیم و تربیت مدینہ منورہ ہی میں ہونی چاہیے۔''

اس زخم کی وجہ سے عبدالملک کے بیٹے آپ سے حسد کرنے لگے، لیکن عبدالملک آپ سے بہت محبت کرتے تھے، انھیں اپنے پاس بٹھاتے، آپ کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے اور انھیں اونچی جگہ بٹھاتے، کوئی اعتراض کرتا کہ آخر آپ اس بچے کو اتنی عزت کیوں دیتے ہیں تو کہتے:

''تمھیں کیا پتا! اس بچے کا کیا مقام ہے...... یہ خلیفہ ہوں گے، کیونکہ یہ بنی مروان کے زخمی پیشانی والے ہیں...... اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خواب کی تعبیر ہیں...... جب زمین ظلم و ستم سے بھر جائے گی تو یہ اسے عدل و انصاف سے بھر دیں گے...... پھر میں کیوں نہ انھیں اونچی جگہ پر بٹھاؤں۔''

مدینہ اس وقت علم کا مرکز تھا...... علم کے اس مرکز میں آپ نے علم حاصل کیا۔ قرآنِ کریم حفظ کیا۔ ان کے استاد صالح بن کیسان تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حضرت عمر کو ان کی شاگردی میں دے دیا۔ صالح بن کیسان اس وقت کے مشہور محدث تھے۔ یہ کیسے استاد تھے۔ اس واقعے سے اندازہ ہو جاتا ہے۔

ایک روز حضرت عمر بن عبدالعزیز دیر سے مسجد میں آئے۔ جماعت ہو چکی تھی۔ صالح بن کیسان نے ان سے پوچھا:

''دیر سے کیوں آئے۔''

انھوں نے جواب دیا: ''بال سنوارنے میں دیر ہوگئی۔''

شاگرد کا جواب سن کر صالح بن کیسان بہت حیران ہوئے۔ انھوں نے سوچا، ان کے دل میں نماز سے زیادہ بالوں کی اہمیت ہے...... انھوں نے فوراً یہ بات آپ کے والد عبدالعزیز کو لکھ بھیجی۔ انھوں نے مصر سے ایک آدمی کو روانہ کیا۔ مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے اس نے حضرت عمر رحمتہ اللہ علیہ کے بال مونڈ ڈالے، پھر کسی سے کوئی بات نہ کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک اور استاد عبیداللہ بن عبداللہ تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اس لیے کہ آپ علم کا سمندر تھے۔ ان استاد کا آپ کی زندگی پر بہت اثر رہا۔ ایک مرتبہ اپنی اہلیہ فاطمہ سے کہنے لگے:

''فاطمہ! جب مجھے غصہ آتا ہے تو اپنے سامنے اپنے استاد عبیداللہ کو کھڑا پاتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں، آپ مجھے غصے سے منع فرما رہے ہیں۔''

مدینہ منورہ میں آپ نے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ انھی دنوں آپ کے والد عبدالعزیز انتقال کر گئے تو خلیفہ عبدالملک نے آپ کو اپنے بچوں میں شامل کر لیا اور اپنی بیٹی فاطمہ سے آپ کا نکاح کر دیا۔

پھر عبدالملک بن مروان انتقال کر گئے۔ ان کی جگہ ان کا بیٹا ولید بن عبدالملک خلیفہ بن گیا۔ اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عمر 25 سال تھی۔ تب ولید نے آپ کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کر دیا۔

آپ ربیع الاول 87 ہجری میں مدینہ منورہ کے حاکم مقرر ہوئے اور اس شان و شوکت

سے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے کہ تیس اونٹوں کا جلوس آپ کے ساتھ تھا۔ مدینہ منورہ کے لوگ آپ کی آمد پر خوش ہوئے۔ آپ اپنے دادا مروان کے گھر ٹھہرے۔ یہ بہت وسیع اور شان دار گھر تھا۔ لوگ آپ کو مبارک باد دینے کے لیے آنے لگے۔ آپ کے جسم سے خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ آپ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئے تھے۔ ناز ونعم میں پلے تھے۔ خدمت گزار آپ کے آس پاس رہتے تھے۔ دولت کی کمی نہیں تھی۔ ان سب باتوں نے آپ کے مزاج میں شان وشوکت پیدا کر دی تھی۔ آپ نے بال بڑھائے ہوئے تھے، تہ بند جوتوں پر گرا ہوا تھا۔ اٹھلا اٹھلا کر چلتے تھے۔ غرض بچپن کی کوئی ادا آپ نے اب تک چھوڑی نہیں تھی۔

آپ نے خلیفہ ولید سے ایک بات پہلے کہہ دی تھی اور وہ یہ تھی:

''مجھ سے ظالم کے کاموں پر باز پرس نہ کی جائے۔'' مطلب یہ تھا کہ میں ظالم کو نہیں چھوڑوں گا۔

آپ نے مدینہ کی گورنری کی ابتدا اس طرح کی کہ چوٹی کے پانچ چھ عالموں کو مشورے کے لیے مقرر کر لیا...... آپ ان سے مشورہ کرتے رہتے تھے...... کبھی کبھی آپ ان کے مشوروں سے اختلاف بھی کرتے تھے...... اس وقت تک آپ کو اشعار وغیرہ سننے کی عادت بھی تھی...... اشعار سنانے والوں کو انعام بھی دے دیا کرتے تھے...... جوانی میں آپ کی یہ حالت تھی...... کپڑے بھی بہت قیمتی پہنتے تھے...... بڑے بڑے بال رکھتے تھے......

ایک روز آپ مسجد میں گئے اور نماز پڑھنے لگے...... بلند آواز سے قرأت کرنے لگے...... آپ کے نزدیک ہی حضرت سعید بن میسّب بیٹھے تھے۔ انھوں نے بلند آواز میں

قرأت سنی تو اپنے غلام سے بولے:

''ارے! اس نمازی کو ہمارے پاس سے ہٹا دے، کیونکہ اس کی قرأت سے ہمیں تکلیف ہو رہی ہے۔''

غلام نے یہ کوشش کی، لیکن حضرت عمر رحمتہ اللہ علیہ برابر قرأت کرتے رہے۔ سعید بن مسیّب نے اپنے غلام سے دوبارہ فرمایا:

''کیا میں نے تم سے کہا نہیں کہ اس نمازی کو ہمارے پاس سے ہٹا دے۔''

غلام بے چارہ گورنر صاحب کو پہچانتا تھا...... وہ انھیں وہاں سے ہٹنے کے لیے کہنے سے گھبرا رہا تھا، چنانچہ اس نے قدرے بلند آواز میں کہا:

''مسجد ہماری جاگیر نہیں ہے۔''

حضرت عمر نے یہ الفاظ سن لیے...... وہ سمجھ گئے کہ کیا معاملہ ہے...... چنانچہ وہاں سے ہٹ کر دور گوشے میں جا کر نماز ادا کرنے لگے۔

آپ قرآنِ کریم کی تلاوت بہت بن سنور کر کیا کرتے تھے۔ ایک روز مسلم بن جندب سے قرآن سنا...... یہ مسجد کے واعظ اور قاری تھے...... یہ قرآن پاک بہترین ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے...... آپ کو ان کی قرأت بہت اچھی لگی...... آپ نے اس موقعے پر فرمایا:

''اگر کوئی قرآن کو تر و تازہ سننا چاہے تو مسلم بن جندب کی قرأت سنے۔''

اس زمانے میں آپ کو مذاق کرنے کی بھی عادت تھی، تاہم حد سے نہیں بڑھتے تھے۔

مدینہ منورہ کے لوگ آپ کو اس زمانے میں یا امیر یا امیر کہنے لگے تھے۔ گورنر ہونے

کی حیثیت سے اب انھیں کوئی عمر نہیں کہتا تھا۔

ایک روز آپ مدینہ منورہ کے بازار سے گزر رہے تھے اور حالت یہ تھی کہ آپ کا کپڑا زمین سے لگ رہا تھا اور گھسٹ رہا تھا۔

محمد بن کعب قرظی نے دیکھ لیا۔ انھوں نے آواز دے کر کہا:

''اے عمر! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کپڑا ٹخنوں سے آگے بڑھ جائے وہ آگ میں ہے۔''

حضرت عمر رحمتہ اللہ علیہ کو یہ سن کر غصہ آ گیا۔ انھوں نے حضرت کعب قرظی کو سخت لہجے میں جواب دیا۔

حضرت کعب تو ان کے خیر خواہ تھے۔ ان کا بھلا چاہتے تھے۔ بعد میں حضرت عمر رحمتہ اللہ علیہ کو بھی محسوس ہو گیا کہ کعب قرظی کی نیت نیک ہے۔

پھر ایک واقعہ ایسا ہوا کہ جس نے حضرت عمر رحمتہ اللہ علیہ کو بدل کر رکھ دیا۔ ایک شخص نے کوئی جرم کیا۔ حضرت عمر نے اسے قید کر دیا اور جتنی سزا اس کی بنتی تھی، اس سے زیادہ اسے قید میں رکھا۔ حضرت مزاحم نے آپ سے ملاقات کی۔ حضرت مزاحم بہت بڑے بزرگ تھے۔ انھوں نے ملاقات کے دوران ان سے کہا:

''آپ اس شخص کو رہا کر دیں۔ اس کی سزا کی مدت پوری ہو چکی ہے۔''

آپ یہ بات سن کر غصے میں آ گئے اور بولے:

''میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ کچھ اور مدت گزر جائے۔''

حضرت مزاحم نے فوراً فرمایا:

''عمر! میں تمہیں اس صبح سے ڈراتا ہوں کہ جس صبح قیامت آئے گی۔ عمر میں تو تمہارا نام ہی بھول گیا ہوں، کیونکہ لوگ تمہیں کثرت سے امیر، امیر کہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں، امیر نے یہ کہا، امیر نے یہ کہا۔''

حضرت مزاحم کی یہ بات سن کر انھیں زندگی میں پہلی بار جھٹکا لگا۔ خود فرماتے ہیں:

''مجھے مزاحم ہی نے بیدار کیا۔ جونہی انھوں نے یہ بات کہی، مجھے ایسا معلوم ہوا، گویا میرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا گیا ہو۔'' (ابن جوزی)

خلیفہ ولید نے حضرت عمر کو حکم بھیجا:

''مسجدِ نبوی کو وسیع کرایا جائے اور امہات المومنین کے حجرے مسجد میں ملا دیے جائیں۔ اس سے پہلے ولید کے والد عبدالملک نے مسجد وسیع کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن مدینہ منورہ کے لوگ چیخ پڑے تھے اور رونے لگ گئے تھے۔ اس لیے وہ اپنے اس ارادے سے رک گئے تھے۔ اب ولید نے محسوس کیا کہ یہ کام عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے لیا جاسکتا ہے۔

آپ نے پہلے علماء کرام کو جمع کیا۔ ان کے سامنے خلیفہ کا حکم رکھا۔ ان سب نے یہی کہا:

''مسجد کو وسیع کرنا بہت ضروری ہے۔''

پھر سب علماء مسجدِ نبوی میں آئے، تاکہ نشان دہی کرسکیں کہ مسجد کہاں تک وسیع کی جاسکتی ہے۔ اس طرح حضرت عمر نے امہات المومنین کے حجرے مسجد میں شامل کر دیے۔ مسجد کے چاروں طرف جو زمین تھی، اسے بھی خرید کر مسجد میں شامل کر دیا۔ اس طرح

محراب کو بھی آگے بڑھایا گیا۔ مسجد کو بہت خوب صورت بنوایا۔ مینارہ بلند کر دیا۔

حضرت عمر سب سے پہلے شخص ہیں، جنھوں نے محرابوں کے نیچے امام کے کھڑے ہونے کی جگہ بنوائی۔

جب اذان دینے کے لیے مینارہ بنایا گیا تو بہت سے مسلمان ملکوں میں بھی اذان کے لیے مینارے بنائے جانے لگے۔

اس کے بعد حضرت عمر کو ولید کا ایک اور حکم ملا۔ وہ حکم یہ تھا:

''گھاٹیاں آسان بنائی جائیں، جگہ جگہ کنویں کھدوائے جائیں، حاجیوں کے راستے میں ہوٹل اور سرائیں خراسان کے راستے میں کثرت سے بنوائی جائیں، تاکہ گزرنے والوں کو مشکلات نہ پیش آئیں۔ ان سراؤں میں ضرورت کی چیزیں رکھی جائیں۔ مدینہ منورہ میں فوارہ بنوایا جائے۔''

حضرت عمر نے ان ہدایات کے مطابق یہ تمام چیزیں بنوائیں۔ حضرت عمر کے ان تمام کاموں سے خوش ہو کر ولید نے آپ کو مدینہ منورہ کے ساتھ مکہ معظمہ اور طائف کا بھی حاکم بنا دیا۔ 90 ہجری میں آپ کو سارے صوبہ حجاز پر والی مقرر کر دیا گیا۔

91 ہجری میں ولید حج کے لیے آیا۔ اس کے لیے مسجدِ نبوی خالی کرالی گئی۔ البتہ سعید بن مسیّب رحمتہ اللہ علیہ اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ ان سے کہا گیا کہ خلیفہ مسجد میں ہونے والی توسیع کو دیکھنے کے لیے آرہے ہیں۔ آپ یہاں سے ہٹ جائیں۔ مسجد سے باہر نکل جائیں، لیکن حضرت مسیب نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے پچاس سال سے کبھی تکبیر تحریمہ نہیں چھوڑی تھی۔ ولید کے حکم پر کیسے اٹھ جاتے۔ دوسری طرف سعید بن مسیّب نے

ولید کی بیعت کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اس لیے ولید ان سے سخت ناراض تھا۔ اب دوسری بات یہ ہوگئی کہ وہ اس کے آنے پر مسجد سے باہر نہیں گئے۔

ولید مسجد میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا، مسجد بالکل خالی ہے، لیکن صرف ایک شخص موجود ہے۔ چنانچہ اس نے پوچھا:

''یہ شخص کون ہے...... کیا یہ سعید ہیں۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب میں کہا:

''جی ہاں! یہ وہی ہیں۔ اگر انھیں آپ کے بارے میں معلوم ہوتا تو یہ اپنی جگہ سے اٹھ جاتے۔ آپ کو سلام کرتے مگر ان کی نظر کمزور ہے۔''

اس پر ولید نے کہا:

''ہمیں ان کا حال معلوم ہے۔ ہم ان کے پاس چلے جاتے ہیں۔''

اب ولید خود ان کے پاس گیا اور بولا:

''شیخ آپ کا کیا حال ہے۔''

حضرت سعید بن مسیّب اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلے، البتہ انھوں نے کہا:

''الحمدللہ! میں خیریت سے ہوں...... امیر المومنین کا کیا حال ہے۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ ان کے کردار کی مضبوطی سے بہت متاثر ہوئے۔ اسی طرح مدینہ منورہ کے باقی لوگ بھی ولید سے خوش نہیں تھے، کیونکہ اس نے امہات المومنین کے حجروں کو گرا دیا تھا۔ لوگوں میں اس کے خلاف غم وغصہ تھا۔

پھر ولید کا انتقال ہوگیا اور اس کے بھائی سلیمان خلیفہ بنے۔ آپ کو سلیمان بن

عبدالملک ولید کی نسبت پسند تھے، وہ نرم مزاج تھے۔ ادھر سلیمان بھی حضرت عمر کو بہت پسند کرتے تھے۔ پھر جب سلیمان کی موت قریب آ گئی تو انھوں نے کہا:

''میرے بچے میرے سامنے لائے جائیں۔ شاید کسی بچے میں مجھے مردانگی کے جوہر نظر آ جائیں۔'' مگر اسے اپنے بچوں میں خلیفہ بننے کے قابل کوئی نظر نہ آیا۔ آخر اس کی نظر حضرت عمر بن عبدالعزیز پر پڑی۔

اس سلسلے میں اس نے رجاء بن حیوۃ سے مشورہ کیا۔ رجاء اردن کے علماء میں سے تھے۔ تمام شامیوں میں اپنے زمانے میں بڑے عبادت گزار تھے۔ بہت سنجیدہ اور پروقار انسان تھے۔ حکمران انھیں ان کی فضیلت کی وجہ سے عزیز رکھتے تھے۔ انھیں اپنا مشیر مقرر کرتے تھے۔ اپنی اولاد پر انھیں نگران مقرر کر دیتے تھے۔ انھوں نے عبدالملک کے زمانے سے لے کر سلیمان تک حکمرانوں کی سختیاں دیکھی تھیں۔ یہ ان پر تنقید بھی کرتے تھے۔ سلیمان کے زمانے میں تو رجاء اس کے خاص آدمیوں میں شامل تھے۔ سلیمان کے نزدیک انھیں وہ مقام حاصل تھا جو کسی کو نہیں تھا۔ سلیمان کثرت سے ان سے مشورہ کرتا تھا۔ اب خلافت کے سلسلے میں سلیمان نے انھیں بلایا تو انھوں نے مشورہ دیا۔

''میرے نزدیک عمر بن عبدالعزیز حکومت کے زیادہ لائق ہیں۔''

اس پر سلیمان نے کہا:

''لیکن میں اولادِ عبدالملک کا کیا کروں...... اگر عمر کو خلیفہ بناتا ہوں اور ان میں سے کسی کو نہیں بناتا تو فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا اور وہ اسے نہیں چھوڑیں گے جو ان پر حاکم ہوگا...... ہاں ایک تدبیر ہے...... یہ کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے بعد کسی کو نامزد کر جاؤں...... تو سن لو......

میرے بعد عمر خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوں گے۔"

اس پر رجاء بن حیوۃ نے کہا:

"آپ یہ وصیت لکھ دیں اور اس پر مہر لگا دیں۔ میں لوگوں سے اسی کے لیے بیعت لے لوں گا۔ جس کا نام اس بند خط میں ہوگا۔ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور آپ بھی۔"

سلیمان نے رجاء کا یہ مشورہ بھی مان لیا۔ اس نے وصیت لکھی اور اس پر مہر لگوائی، پھر اسے لپیٹ کر اپنے گھر والوں کو بلایا اور ان سے بولا:

"اس مہر شدہ اور لپیٹے ہوئے پرچے میں جس شخص کو خلیفہ کے لیے نامزد کیا گیا ہے، اس کے لیے بیعت لے لی جائے۔"

حاضرین نے اسی وقت بیعت کر لی۔ سلیمان نے وہ وصیت نامہ رجاء کو دے دیا۔

جب لوگ چلے گئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رجاء کے پاس آئے اور بولے:

"میرے دل میں سلیمان کا احترام ہے، مجھے ان سے محبت ہے، وہ بھی مجھ پر مہربان ہیں، ان کے مجھ پر احسانات بھی ہیں، میں ڈرتا ہوں...... انھوں نے خلافت کے سلسلے میں میرے بارے میں کوئی وصیت نہ کر دی ہو...... میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے بتا دو، اس میں کس کا نام ہے...... اگر تم اس وقت مجھے بتا دو گے تو میں اس قابل تو ہوں گا کہ انکار کر دوں...... بعد میں میں انکار کرنے کے قابل نہیں رہ جاؤں گا۔"

اس پر رجاء نے کہا:

"میں آپ کو وصیت نامے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گا۔"

یہ سن کر وہ ناراض ہوئے اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر آئے اور بولے:

''رجاء! اللہ کے لیے امیر المومنین کو میرے بارے میں بتادو کہ میں خلافت کے قابل نہیں۔''

رجاء نے یہ سن کر کہا:

''آپ وصیت کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں، لیکن میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔''

ایک دن سلیمان نے رجاء سے کہا:

''رجاء! تم ذرا عمر بن عبدالعزیز کا امتحان لو...... یہ جاننے کی کوشش کرو کہ ان کا ظاہر اور باطن کیسا ہے...... بظاہر تو یہ بہت نیک ہیں، اچھے مشیر ہیں...... لیکن ان کا باطن کیسا ہے...... ضرورت تو یہ جاننے کی ہے......''

رجاء ان کا امتحان لینے کے لیے ان کے گھر مہمان ٹھہرے۔ وہ وہاں رہ کر ان کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ آخر واپس آکر انھوں نے خلیفہ سلیمان کو بتایا:

''عمر کا قول و فعل ایک ہے...... جو کہتے ہیں، وہ کرتے بھی ہیں۔''

اس طرح رجاء اور سلیمان لوگوں کے لیے خیر کا سبب بنے کہ انھوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو خلیفہ بنادیا۔

ایک روز سلیمان تفریح کے لیے اچھے کپڑے پہن کر گھر سے نکلا۔ راستے میں ایک ٹیلے پر ایک قبر نظر آئی۔ گھر واپس آیا تو اسی رات بیمار ہوگیا۔ پھر بیماری زور پکڑتی چلی گئی۔ اس طرح دوسرے یا تیسرے جمعے کو وہ فوت ہوگیا۔

اس وقت سلیمان کے پاس صرف رجاء موجود تھے۔ انھوں نے اس پر سبز چادر ڈال

دی اور لوگوں کے درمیان پہنچے۔ اعلان کروایا کہ سب لوگ جمع ہو جائیں، خلیفہ کی وصیت سنانا چاہتا ہوں۔ اس طرح جب سب لوگ جمع ہو گئے تو رجاء نے وہ کاغذ نکال کر لہرایا اور بولے:

''یہ ہے وہ وصیت...... جس میں نئے خلیفہ کا نام موجود ہے...... تم سب لوگ اس شخص کے لیے بیعت کرو جس کا نام اس خط میں درج ہے اور اختلاف نہ کرو، ورنہ دوسرے اس اختلاف سے فائدہ اٹھائیں گے، چنانچہ ایک ایک شخص نے بیعت کی۔ جب رجاء نے دیکھا کہ سب لوگ بیعت کر چکے ہیں تو بولے:

''اللہ تم سب کو اجر عطا فرمائے، امیر المومنین فوت ہو گئے ہیں۔''

اس کے بعد رجاء نے اس وصیت نامے کی مہر کو توڑ دیا، تاکہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ اس وقت لوگوں کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے کہ نہ جانے خلیفہ سلیمان نے کسے خلیفہ بنایا ہے۔

پھر رجاء نے وصیت پڑھ کر سنائی۔ عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کا نام خلیفہ کے طور پر سن کر ہشام بن عبد الملک پر بجلی گری۔ اس نے چلا کر کہا۔

''نہیں نہیں، اللہ کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا۔''

اس کے یہ کہنے پر ایک شامی نے تلوار سونت لی اور بولا:

''خلیفہ سلیمان نے جس بات کا حکم دیا ہے، تم اس کے ماننے سے انکار کرتے ہو۔''

اس پر ہشام نے کہا:

''اگر خلیفہ عبد الملک کے خاندان کا ہوگا تو ہم مانیں گے اور اطاعت کریں گے۔''

اس پر رجاء بول پڑے:

''اگر تم انکار کرو گے تو تمہاری گردن اڑا دیں گے۔''

ساتھ ہی لوگوں نے ہشام کو پکڑ کر گھسیٹا۔ تب اس نے کہا:

''ہم نے سنا اور اطاعت کی۔''

اس کے بعد رجاء نے وصیت نامے کا اگلا حصہ پڑھا:

''اور عمر بن عبدالعزیز کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوں گے۔''

اب سب لوگوں نے اور ہشام نے بھی یہی کہا:

''ہم نے سنا اور اطاعت کی۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ اس وقت سب لوگوں کے پیچھے بیٹھے تھے اور خلیفہ بننے پر انا للہ پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''اللہ جانتا ہے، میں نے ظاہر اور باطن میں کبھی بھی خلافت کی خواہش نہیں کی۔''

ایسے میں رجاء آپ کی طرف بڑھے، تاکہ خلافت آپ کو سونپ دیں۔ نزدیک پہنچ کر انھوں نے کہا:

''اے عمر! منبر پر آ جائیں اور لوگوں سے کچھ فرمائیں۔''

حضرت عمر نے فرمایا:

''مجھے اس سے الگ ہی رکھیے۔''

رجاء نے فوراً کہا:

''اللہ کے لیے ایسی بات منہ سے نہ نکالیے، ورنہ لوگوں میں فتنہ کھڑا ہو جائے گا اور

پھوٹ پڑ جائے گی۔"

پھر رجاء آپ کو بازو سے پکڑ کر منبر تک لے آئے۔ آپ میں اس وقت اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ منبر پر چڑھ سکتے۔ رجاء نے آپ کو چڑھنے میں مدد دی۔

آخر آپ نے فرمایا:

"لوگو! اس سلسلے میں مسلمانوں سے مشورہ نہیں لیا گیا۔ مجھے خلافت کی کوئی خواہش نہیں۔ میں اپنی بیعت سے تم لوگوں کو آزاد کرتا ہوں۔ تم خود اپنے لیے خلیفہ چن لو۔"

لوگ گھبرا گئے۔ انھیں حضرت عمر رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ سن کر حیرت ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جاتی، ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:

"اللہ کی قسم اے عمر! اس طرح تو حالات خراب ہو جائیں گے۔ آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں، تاکہ ہم بیعت کر لیں۔"

پھر سب لوگ بیعت کے لیے امڈ پڑے۔

جب لوگ بیعت کر چکے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

"میں تمہیں تقویٰ کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ تقویٰ ہر چیز کا بدل ہے اور تقویٰ کا بدل کوئی چیز نہیں، اس لیے اپنی آخرت کے لیے عمل کرو، کیونکہ جو آخرت کے لیے عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے تمام کام بنا دیتا ہے۔ اپنے باطن سنوار لو، اللہ تعالیٰ تمہارا ظاہر بھی سنوار دے گا اور کثرت سے موت کو یاد کرو اور موت آنے سے پہلے اس کے لیے اچھی طرح تیار رہو...... دیکھو، امتِ محمدیہ کا اللہ ایک ہے۔ رسول ایک ہے، اور کتاب ایک ہے، اگر ان کا اختلاف ہے تو روپے پیسے میں ہے، میں کسی کو باطل طریقے سے دینے والا نہیں اور نہ کسی کا

حق رکھنے والا ہوں۔''

پھر آپ نے قدرے بلند آواز میں فرمایا:

''لوگو! جو اللہ کا اطاعت گزار ہے، اس پر میری اطاعت بھی واجب ہے اور جو اللہ کا نافرمان ہے، اس پر میری اطاعت نہیں، جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں، تم بھی میری اطاعت کرو اور اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تم میری اطاعت نہ کرنا۔''

یہ کہہ کر آپ منبر سے اتر آئے۔ یہ 10 صفر 99 ہجری کی تاریخ تھی۔

آپ منبر سے اتر کر تھوڑی دیر تک منبر کے پاس ہی اپنا سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھے رہے اور روتے رہے۔ لوگ کھسر پسر کرنے لگے کہ عمر خلافت ملنے پر خوش ہو کر رو رہے ہیں۔ آخر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر واپس ہوئے مگر حضرت عمر پیدل ہی گھر پہنچے۔

اس کے بعد سلیمان کو دفن کیا گیا۔ حضرت عمر رحمہ اللہ اور سلیمان کے تین بیٹے قبر میں اترے۔ جب سلیمان کی میت اٹھائی گئی تو ایسا محسوس ہوا جیسے سلیمان ہاتھ ہلا رہے ہوں، یہ دیکھ کر ان کا ایک بیٹا بول اٹھا:

''اللہ کی قسم! میرے والد زندہ ہو گئے۔''

اس پر حضرت عمر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ایسی بات نہیں۔''

سلیمان کے دفن کے بعد لوگوں نے یہ افواہ اڑا دی کہ اسے زندہ دفن کر دیا گیا ہے...... اس بات کا امکان ہے کہ وہ صرف بے ہوش ہوں اور فوت نہ ہوئے ہوں...... لوگوں نے یہ

بھی کہا کہ اقتدار کی محبت میں سلیمان کو دفن کرنے میں جلدی کی گئی......

لوگ بنی مروان اور بنی عبدالملک کے پاس گئے۔ ان سے بھی انھوں نے یہی کہا:

''سلیمان کو دفن کرنے میں جلدی کی گئی...... اگر عمر بن عبدالعزیز خلافت سے خوش نہ ہوتے تو دفن میں جلدی نہ کرتے۔''

عبدالرحمٰن بن حکم بن عاصم کو ان باتوں کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے ہشام بن عبدالملک کو سخت خط لکھا کہ تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو۔

بہرحال حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بن گئے...... سب لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، لیکن آپ ایسے حکمران نہیں بننا چاہتے تھے جو من مانی کرتے ہوں۔ آپ خلافت کو شوریٰ کی بنیاد پر چلانا چاہتے تھے۔ چاروں خلفائے راشدین نے خلافت کو شوریٰ کی بنیاد پر چلایا تھا...... لیکن یہ شورائی نظام ختم ہوا جا رہا تھا...... حضرت عمر بن عبدالعزیز اسے پھر سے جاری کرنا چاہتے تھے...... خلافت کے کاموں میں کافی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں...... خلافت کی اصل شکل جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھی، اب ماضی کی باتیں ہو گئی تھیں...... ان سب باتوں کے باوجود بنو امیہ کے خلفاء میں بہت خوبیاں بھی تھیں...... انھوں نے بے شمار علاقے فتح کیے، نئی مساجد بنوائیں...... نئے شہر آباد کرائے...... ان میں اصلاحات کرائیں...... یہ عالم فاضل حکمران تھے......

بہرحال حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مکمل طور پر خلفائے راشدہ والا نظام رائج کرنا چاہتے تھے...... وہ نظام جس میں ایک بڑھیا بھی وقت کے خلیفہ کا دامن پکڑ کر اسے

ٹوک سکتی تھی...... وہ نظام جس میں رعایا کو اپنی جان اور مال کا پورا پورا اطمینان تھا...... اس کی بات سنی جاتی تھی...... لیکن یہ کام آسان نہیں تھا...... انتہائی مشکل اور خطرناک ترین تھا...... مگر آپ نے اپنا کام شروع کر دیا......

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلے لوگوں کے غصب شدہ مال اور جائیدادیں انھیں واپس دلوائیں۔ بعض گورنروں اور عمالوں نے غریبوں کی زمینوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ وہ ان سے واپس لے کر ان غریبوں کو دیں۔ کہنے کو یہ کام آسان نہیں تھا۔ بہت ہی مشکل کام تھا۔ سارے خاندان، عمال اور حکومت کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنا مخالف بنا لینا تھا۔ لیکن آپ ڈٹ گئے۔ کسی کی پروانہ کی اور غریبوں کو ان کے حق دلوانے کا کام شروع کر دیا۔ اس کام کو آپ نے پہلے نمبر پر رکھا۔ خود آپ کے اپنے پاس وراثت میں ملی ہوئی ایک بڑی جاگیر تھی۔ اس کے بارے میں آپ کا خیال تھا، اس کو اپنے پاس رکھنا جائز نہیں، چنانچہ آپ نے اسے واپس کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس وقت آپ کے خیر خواہوں اور دوستوں نے کہا:

''اگر آپ اپنی جاگیر واپس کر دیں گے تو اپنی اولاد کے لیے کیا انتظام کریں گے۔''

اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''میں انھیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا:

''بنی مروان! تمہارے پاس بے تحاشہ دولت ہے، بلکہ میرے خیال میں امت کا دو تہائی مال تمہارے قبضے میں ہے۔''

آپ نے دراصل انھیں اشاروں میں سمجھایا تھا کہ اس مال کو واپس کر دو۔ وہ آپ کے اشارے کو سمجھ گئے۔ انھوں نے سخت لہجے میں کہا:

''جب تک ہمارے سر ہمارے جسموں پر ہیں، جب تک ہمارے سر ہمارے جسموں سے الگ نہ ہو جائیں، ہم یہ مال واپس نہیں کریں گے، ہم کیوں اپنی اولادوں کو مفلس بنائیں۔''

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی سخت لہجے میں فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر اس معاملے میں تم لوگوں نے انکار کیا تو میں تمہیں ذلیل اور رسوا کر دوں گا۔ میرے پاس سے چلے جاؤ۔''

اس کے بعد آپ نے عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کیا اور ان سے فرمایا:

''ہمارے حکمرانوں نے ہمیں ایسی جاگیریں عطا کی ہیں، جو عطا کرنے کا انھیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا، نہ ہمیں لینے کا حق تھا۔ اب میں ان سب کو ان کے حقیقی اور اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں اور یہ کام اپنی ذات سے شروع کرتا ہوں۔''

یہ فرمانے کے بعد آپ نے شاہی جائدادوں کے رجسٹر منگوائے۔ مزاحم آپ کے سامنے رجسٹر کھولتے گئے، پڑھ پڑھ کر سناتے گئے اور آپ ان کو قینچی سے کاٹتے گئے۔ صبح کی نماز کے بعد شروع ہونے والا یہ کام ظہر کی نماز تک جاری رہا، آپ نے اپنی اور اپنے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے پاس ایک نگینہ بھی نہ رہنے دیا۔ (طبقات ابنِ سعد)

آپ کی اہلیہ فاطمہ کو ان کے والد عبدالملک نے ایک بہت قیمتی نگینہ دیا تھا۔ اس کے

بارے میں آپ نے ان سے فرمایا:

''اس نگینے کو بھی بیت المال میں داخل کر دو یا پھر مجھے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

آپ کی اہلیہ فاطمہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کی بیٹی تھیں، بہت وفا شعار تھیں۔ انھوں نے وہ ہیرا فوراً بیت المال میں جمع کرا دیا۔

آپ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس قسم کی تمام جائیدادیں اور جمع شدہ ناجائز مال لوگوں میں تقسیم کر کے رہیں گے۔ زمین کے ایسے ٹکڑے بھی عام لوگوں کو دے دیں گے، تاکہ عوام کے دلوں میں حق کا رعب جم جائے...... جس رعب کو پہلے حکمران برباد کر گئے تھے...... آپ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اسلامی تہذیب کو پھر سے زندہ کروں گا...... وہ تہذیب جو لوگوں کے دلوں سے مٹتی جا رہی تھی...... آپ نے سب سے پہلے اپنے کپڑے اتار کر پھینک دیے...... اور صرف آٹھ درہم کی چادر اپنے اوپر لے لی۔ پھر حکم فرمایا:

''میرے پاس جو برتن ہیں، ان سب کو، سواریوں اور کپڑوں کو اور عطر وغیرہ کو فروخت کر دیا جائے۔''

چنانچہ یہ سب چیزیں 23، 24 ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوئیں۔ یہ سارا روپیہ آپ نے بیت المال میں جمع کرا دیا۔ گویا اصلاح کا عمل اپنے گھر سے شروع کیا۔

اس کے بعد سرکاری سواریوں کو لایا گیا۔ گھوڑے زین کسے ہوئے قطاروں میں آپ کے سامنے کھڑے کر دیے گئے۔ ان پر سوار تلواریں سونتے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان سب سے آگے محافظ دستے کا افسر تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں، میں نے تم سب کو سبک دوش کر دیا۔''

پھر آپ نے ان قطاروں میں اپنے خچر کو تلاش کیا۔ اس پر بیٹھنے کے بعد آپ نے تمام پہرے داروں اور سپاہیوں کو فارغ کر دیا۔ ان کی تعداد چھ سو تھی۔ گویا سابقہ حکمرانوں نے اپنی حفاظت کے لیے یہ حفاظتی دستہ رکھا ہوا تھا۔ جیسا کہ آج کے زمانے میں حکمران اپنی حفاظت کے لیے رکھتے ہیں۔ پھر آپ نے اپنے خادم مزاحم سے فرمایا:

''ان قناتوں اور دوسرے آرائشی ساز وسامان سب کو بیت المال میں جمع کرا دو۔''

اب حالت یہ ہوگئی کہ خود حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے گھر میں غربت نے ڈیرے جما دیے۔ ان کی اہلیہ فاطمہ بنتِ عبدالملک نے درخواست کی:

''میرا اور میرے بچوں کا ماہانہ مقرر کر دیا جائے۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''بیت المال میں گنجائش نہیں۔''

اس پر فاطمہ نے کہا:

''خلافت سے پہلے آپ دوسروں سے لیتے رہے ہیں۔''

آپ نے جواب دیا:

''اس وقت وہ مال میرے لیے حلال تھا۔ اس کا وبال اور گناہ ان پر تھا جنھوں نے ناجائز طریقے سے مال حاصل کیا اور خرچ کیا، لیکن خلیفہ بنائے جانے کے بعد میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

اس طرح حضرت عمر رحمہ اللہ اپنی اہلیہ کو برابر سمجھاتے رہے اور آخر کار وہ بھی پرہیز گاری کے سانچے میں ڈھل گئیں۔

خلیفہ بننے کے فوراً بعد آپ تین دن تک غائب رہے۔ ان تین دنوں میں آپ اپنے غلام مزاحم کے ساتھ دستاویزات جمع کرتے رہے۔ ان دستاویزات میں ان کی اپنی جائیداد وغیرہ کے کاغذات بھی تھے اور امرا کی جائیدادوں اور عطیات کے کاغذات بھی تھے۔ جب تمام دستاویزات اور اقرار نامے جمع کر لیے تو اعلان کرا کے سب لوگوں کو جمع کیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ منبر پر تشریف لائے۔ مزاحم آپ کے پیچھے تھے۔ آپ نے اس وقت بالکل معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کی قیمت 12 درہم تھی۔ اب آپ نے تمام لوگوں سے فرمایا:

''لوگوں نے ہمیں عطیات دیے۔ ان کو قبول کرنا ہمارے لیے جائز نہیں تھا اور نہ انھیں دینا جائز تھا۔ میرے خیال میں ان عطیات میں ہم سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حساب لینے والا نہیں۔ میں نے یہ کام اپنے اور اپنے گھر والوں کی ذاتی جائیداد سے شروع کیا ہے۔ مزاحم! تم انھیں پڑھ کر سناؤ۔''

مزاحم نے لوگوں کو وہ سب پڑھ کر سنایا، یعنی جائیداد وغیرہ کی جو تفصیلات تھیں۔ پھر آپ نے قینچی سے ان تمام کاغذات کو کاٹنا شروع کیا۔ کاٹتے چلے گئے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا اور آپ یہی کام کرتے رہے تھے۔

کچھ جائیدادیں بغیر تحریر کے تھیں۔ یعنی ایسے ہی غصب کر لی گئیں تھیں۔ ان کے بارے میں آپ نے اعلان فرمایا:

''کوئی شخص غصب شدہ زمینوں سے فائدہ نہ اٹھائے۔''

پھر جن زمینوں اور کھیتوں کے بارے میں لوگوں کا مطالبہ تھا کہ دراصل ان کے ہیں،

وہ حق داروں کو دلوا دیے۔ خود آپ کے قبضے میں جتنے کھیت اور غلام اور لونڈیاں تھیں، سب آپ نے بیت المال میں جمع کرا دیں۔

آلِ بلال میں سے کسی نے آپ پر مقدمہ قائم کیا۔ اس کا کہنا تھا:

''میں نے آپ کو ایک کھیت فروخت کیا تھا۔ پھر اس میں سے کانیں نکل آئیں۔''

مقدمے میں کہا گیا:

''ہم نے آپ کو کھیت فروخت کیا تھا، کانیں فروخت نہیں کی تھیں۔ لہٰذا ہماری کانیں ہمیں دے دیں۔''

آلِ بلال نے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر دکھائی۔ حضرت عمر رحمہ اللہ نے لپک کر اس تحریر کو چوم لیا۔ اسے اپنی آنکھوں سے لگایا، پھر اپنے منتظم سے فرمایا:

''اس کی آمدنی اور خرچ کا حساب لگا لو اور خرچ نکال کر باقی رقم انھیں دے دو۔''

آپ کے پاس ایک زمین یمامہ میں تھی۔ آپ نے اپنی وہ زمین بھی بیت المال میں جمع کرا دی۔ جس زمین کے آپ کے پاس کاغذات تھے، اس کا منافع بیت المال کو دے دیا اور آپ نے اعلان فرمایا:

''میں کبھی بھی بیت المال سے ایک پیسہ نہیں لوں گا۔''

ان کے ذاتی اخراجات کے لیے بالکل تھوڑی سی زمین تھی۔ اس کی آمدنی صرف دو سو دینار کے قریب تھی۔ اس پر آپ سے کہا گیا:

''آپ بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح بیت المال سے وظیفہ لے لیا کریں۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''میرے پاس زمین کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ یہ میرے لیے کافی ہے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس اتنا مال بھی نہیں تھا، اس لیے انھوں نے بیت المال سے لینا قبول کیا تھا۔''

اس کے بعد آپ نے فدک کا مسئلہ حل فرمایا۔ فدک کے بارے میں آج بھی باتیں کی جاتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس موقعے پر اس مسئلے کو بھی سمجھ لیا جائے۔

فدک مدینہ طیبہ سے دو یا تین دن کے فاصلے پر ایک باغ تھا۔ اس میں کھجور کے درخت اور پانی کے چشمے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کے بغیر اسے فتح کیا تھا۔

مالِ غنیمت اور مال فے میں فرق ہے۔ جو مال جنگ کے بعد حاصل ہو، وہ مالِ غنیمت ہے اور جو جنگ کے بغیر حاصل ہو، اس کو مالِ فے کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مالِ فے کے بارے میں فرمان یہ تھا کہ مالِ فے آپ کی سپردگی میں رہے گا۔ آپ اسے جہاں چاہیں، خرچ کر سکتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ آپ کی ملکیت ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ مال تو اللہ کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے امین ہیں۔ یعنی فدک آپ کی ذاتی ملکیت نہیں ہے۔

مالِ فے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے:

''سو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور محتاجوں کے لیے ہے۔'' (سورۃ الحشر آیت: 6-7)

اب چونکہ فدک بھی مالِ فے تھا، اس لیے اس کو آپ نے اپنی سپردگی میں لے لیا، لیکن یہ آپ کی ذاتی ملکیت نہیں تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت نہیں تھی جو عزیز رشتے داروں میں تقسیم ہوتی ہے۔ آپ اس جائیداد کو اللہ کے حکم کے مطابق وہیں خرچ کر سکتے تھے جہاں اللہ تعالیٰ حکم فرماتے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بنتا، اس پر بھی لازم تھا کہ وہ اموال فے کو وہیں خرچ کرے جہاں اللہ کے رسول خرچ کرتے تھے۔

اب مالِ فے کو خرچ کرنے کے بارے میں اللہ کا حکم یہ ہے کہ اس کو قرابت والوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے، تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت نہیں ہے کہ اس میں وراثت جاری ہو۔

دوسری طرف سوال یہ تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ذاتی ملکیت ہو بھی تو کیا اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔ اس بارے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''ہم انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ یعنی عام مسلمانوں کا حق ہے۔ (بخاری: 526/1)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فدک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت نہیں تھا، بلکہ آپ اس کے متولی تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لائیں اور فرمایا:

''فدک مجھے دیا جائے۔''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ ہم گروہِ انبیاء، نہ کسی کے مال کے وارث ہوتے ہیں، نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے، ہم جو کچھ چھوڑ کر جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا، میں اس کی آمدنی اسی طرح خرچ کروں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور آلِ رسول اس مال سے اسی طرح کھائے گی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھاتی تھی اور خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے ساتھ سلوک اور احسان میں مجھے اپنے قرابت داروں کے ساتھ سلوک اور احسان سے کہیں زیادہ محبوب ہیں۔'' (بخاری)

یہ نہایت معقول جواب تھا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خاموش ہوگئیں۔ اس کے بعد آپ نے کبھی میراث کا مطالبہ نہیں کیا، بلکہ اپنے مطالبے پر افسوس کیا کرتی تھیں کہ کیوں انھوں نے یہ مطالبہ کیا۔

فے کے ذریعے حاصل ہونے والے تمام مال کا انتظام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان میں باغِ فدک بھی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد یہ انتظام حضرت حسن، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور حسن بن حسن اور پھر زید بن حسن رحمہما اللہ کے ہاتھوں میں رہا۔ (بخاری:576/2)

اس حسنِ سلوک کی وجہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی خوش رہیں اور ان کی اولاد بھی خوش وخرم رہیں، چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے سیدنا محمد باقر بن علی بن حسین رحمہ اللہ سے پوچھا:

''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کے حق میں کسی طرح کسی قسم کی کوئی زیادتی کی ہے۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''بالکل نہیں! قسم ہے، اس ذات کی جس نے اس بندے سے قرآن کو نازل کیا، ہمارے حق میں ان دونوں نے رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا۔''

پوچھنے والے نے پھر پوچھا:

''کیا میں ان سے محبت کروں۔ انھیں دوست سمجھوں۔''

جواب میں انھوں نے فرمایا:

''ہاں تو ان دونوں کے ساتھ دنیا اور آخرت میں محبت رکھ اور اگر کوئی وبال پیش آئے تو میری گردن پر ہوگا۔'' (ابن ابی الحدید: 113/4)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں کچھ لوگوں نے ان سے کہا:

''آپ باغِ فدک اولادِ فاطمہ کو دے دیں۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس شے کو لوٹا دوں جسے دینے سے ابو بکر نے انکار کیا اور عمر نے ان کے فرمان کو جاری رکھا۔''

سیدنا محمد باقر کے بھائی سیدنا زید بن علی بن حسین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر ابو بکر کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی فدک کے معاملے میں وہی کچھ کرتا جو ابو بکر نے کیا تھا۔'' (البدایہ والنہایا: 290/5)

مختصر یہ کہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما وغیرہ نے باغِ فدک کے بارے میں اہلِ بیتِ نبوت سے کوئی زیادتی یا ظلم نہیں کیا تھا جس کا آج کے دور میں بھی چرچا کیا جاتا ہے، بلکہ ان دونوں حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس کی تقسیم کا انتظام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان دونوں کی خلافت کے دوران نہایت خوش اسلوبی سے یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کا اپنے زمانے میں متولی بنایا تھا اور میں نے جہاں جہاں مناسب تھا، اسے وہاں وہاں تقسیم کیا۔ پھر ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافتوں کے دور میں بھی میں ہی اس کا متولی رہا۔ (مسند امام احمد)

یہ تھی مختصر سی تفصیل اس مسئلے کی۔ اب یہ مال حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے قبضے میں تھا اور اسی پر ان کی اور ان کے گھر والوں کی گزر بسر تھی، کیونکہ آپ سے پہلے خلفاء نے اسے اپنی جاگیر بنالیا تھا اور اسی طرح یہ آپ کی جاگیر بنا، لیکن جب آپ نے اپنی اور دوسروں کی جائیدادیں بیت المال میں جمع کرادیں تو اس مال کے بارے میں بھی آپ نے فرمایا:

''اس مال پر میرا کوئی حق نہیں، اس کی جو صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی، میں اسے اسی حالت پر لوٹاتا ہوں۔'' (طبقات ابن سعد: 128/5)

اسی طرح آپ نے تمام غصب شدہ جائیدادیں لوگوں سے واپس لیں اور ان کے حق داروں کو دلوائیں۔ آپ نے یہ اصلاحات صرف شام ہی میں نہیں کیں، بلکہ اسلامی سلطنت کے تمام گورنروں کو لکھا۔

''تمہارے علاقوں میں جن جن لوگوں نے دوسروں کے مال غصب کرر کھے ہیں، وہ ان سے واپس لے کر اصل حق داروں کو دیے جائیں اور اس بارے میں قطعاً کوئی رعایت نہ کی جائے۔''

اور جب ایسا کیا گیا تو صوبوں میں مشکلات پیش آئیں تو آپ نے دارالحکومت سے روپیہ بھجوا کر نظام کو درست فرمایا:

یہ تمام اموال چونکہ مدتوں سے غصب شدہ چلے آرہے تھے، اس لیے ان کی واپسی کے سلسلے میں بہت مشکلات پیش آئیں۔

جو لوگ اس دنیا سے انتقال کر چکے تھے، ان کے مال ان کی اولادوں کو دیے گئے۔ یہ سلسلہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات تک جاری رہا۔

اور یہ کام آسان نہیں تھا۔ مشکل ترین کام تھا...... جن بڑے بڑے لوگوں سے جاگیریں چھینی گئی تھیں...... اب وہ عام لوگ بن کر رہ گئے تھے...... ان کی شان وشوکت اور غرور خاک میں مل گیا تھا...... لہٰذا ایسے لوگوں میں حضرت عمر رحمہ اللہ کے خلاف نفرت موجود تھی...... وہ سب آپ سے شدید ناراض تھے...... لہٰذا وہ آپ کے خلاف سازشوں میں لگ گئے...... انھوں نے آپ کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں پھیلانا شروع کردیں...... طرح طرح کے اعتراضات شروع کر دیے...... لیکن آپ نے ان لوگوں کی کوئی پروانہ کی اور اپنا کام کرتے رہے......

اب امراء نے آپ میں کمزوریاں تلاش کرنے کی کوشش کی...... لیکن وہ کوئی ایک کمزوری بھی تلاش نہ کر سکے...... جب وہ اس طرف ناکام رہے تو انھوں نے سازشوں کے

جال پھیلا دیے۔

سب سے پہلی سازش یہ کی کہ ان کی پھوپھی فاطمہ کو ان کے خلاف ورغلانے کی کوشش شروع کی۔ فاطمہ بنتِ مروان ایک بلند پایہ اور خود دار خاتون تھیں...... جب ان سب سازشیوں نے ان کے کان بھرے تو انھوں نے حضرت عمر رحمہ اللہ کو ایک پیغام بھیجا......

پیغام یہ تھا:

''میں ایک اہم کام کے سلسلے میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔''

یہ پیغام بھیج کر فاطمہ گھوڑے پر سوار ہوئیں اور حضرت عمر کے پاس پہنچ گئیں۔ دربان انھیں اندر لے گیا۔ یہاں تک کہ آپ حضرت عمر کے خیمہ تک پہنچ گئیں۔

حضرت عمر ان کے استقبال کے لیے خود اٹھے اور انھیں گھوڑے سے اترنے میں مدد دی۔ نہایت احترام کے ساتھ بٹھایا۔ فاطمہ بنتِ مروان نے اپنی آمد کا سبب بتایا۔ آپ نے جواب میں عرض کیا:

''پھوپھی جان! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو لوگوں کو ایک آباد گھاٹ پر چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ پھر اس وقت کا خلیفہ ایک ایسا شخص بنا جس نے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ پھر یکے بعد دیگرے مختلف حضرات کے ہاتھوں میں انتظام آیا۔ بعد میں آنے والے کچھ لوگوں نے اس میں کمی بیشی کی۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے زندگی عطا فرمائی تو میں اس انتظام کو سابقہ حالت پر لاؤں گا۔''

اس پر پھوپھی صاحبہ نے کہا:

''آپ کے عزیز رشتے دار آپ کا شکوہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے

وہ چیزیں چھین لیں جو پہلے خلفاء نے انھیں دی تھیں یا ان سے نہیں چھینی تھیں۔''

اس کے جواب میں حضرت عمر نے فرمایا:

''میں نے ان کا حق نہیں لیا۔''

پھوپھی بولیں:

''یہ درست ہے..... لیکن میں نے انھیں آپ کے خلاف سخت باتیں کرتے سنا ہے..... اور مجھے اس بات کا ڈر ہے..... وہ آپ کے لیے کوئی سخت دن نہ لے آئیں۔''

یہ سن کر آپ جوش میں آ گئے۔ آپ نے فرمایا:

''مجھے دنیا کے ہر سخت دن کا ڈر ہو اور قیامت کے دن کا ڈر نہ ہو، ایسا ممکن نہیں، میں تو یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے دن کی سختی سے محفوظ فرمائے۔''

آپ کی باتیں سن کر آپ کی پھوپھی صاحبہ اٹھنے لگیں تو آپ نے انھیں بٹھا لیا اور حکم دیا۔

''آگ کا ایک انگارہ اور ایک اشرفی لائی جائے۔''

پھر آپ نے اشرفی کو انگارے پر رکھا۔ وہ اشرفی سرخ ہو کر پگھل گئی۔ اس پر جو لکھا ہوا تھا، وہ سب ختم ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

''پھوپھی جان! کیا آپ کو اپنے بھتیجے پر اس جیسی اشرفی سے رحم نہیں آتا۔''

یہ سن کر پھوپھی صاحبہ خاموش کھڑی ہو گئیں..... حضرت عمر رحمہ اللہ کی یہ بات ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ ان کے چہرے پر خوف طاری ہو گیا۔ پھوپھی کو خاموش دیکھ کر حضرت عمر بولے:

''پھوپھی صاحبہ! بات کریں۔ آپ تو خاموش ہوگئیں۔''

اس پر پھوپھی بولیں:

''عمر! میں تم سے تبادلِ خیال کرنے آئی تھی...... لیکن تمہارے گفتگو کے انداز نے مجھ میں بات کرنے کی ہمت نہیں چھوڑی۔''

یہ کہہ کر پھوپھی چلی گئیں...... آپ نے دراصل انھیں یہ بتایا تھا کہ جہنم میں یہ عذاب بھگتنا ہوگا۔ اب پھوپھی ان لوگوں کے پاس آئیں۔ جنھوں نے انھیں ورغلایا تھا۔ آ کر ان سے بولیں:

''تم لوگوں نے خود ہی عبدالعزیز کا نکاح آلِ عمر رضی اللہ عنہ میں کیا...... اب اگر عمر، حضرت عمر فاروق والے کام کریں تو اعتراض کیوں کرتے ہو۔ اب صبر کرو۔''

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا ایک لڑکا آیا۔ اس کی زمین دستاویز نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے ضبط کر لی تھی۔ اس نے آ کر کہا:

''امیر المومنین! آپ میری زمین واپس کیوں نہیں کرتے۔''

''اس لیے کہ تمہارے پاس اس کی ملکیت کی کوئی دستاویز نہیں ہے۔''

اس نے ایک دستاویز اپنی آستین سے نکال کر آپ کو دی۔ آپ نے اس کو دیکھا اور پوچھا:

''اس دستاویز کی زمین کس کی ہے۔''

اس نے بتایا: ''فاسق اور فاجر ابنِ حجاج کی۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''تب تو مسلمان اس زمین کے زیادہ حق دار ہیں۔''

اب وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ بس یہ کہا:

''اچھا میری دستاویز مجھے واپس کر دیں۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''میں نے یہ دستاویز تم سے نہیں مانگی تھی...... تم نے خود مجھے دی ہے، لہٰذا اب میں یہ تمہیں واپس نہیں دوں گا، تا کہ تم کبھی بھی یہ غلط مطالبہ نہ کرسکو۔''

اس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان کے بیٹے کو واپس لوٹا دیا اور اسے کچھ بھی نہ دیا...... اس نے گڑگڑا کر درخواست کی...... لیکن آپ نے اس کا بھی کوئی اثر نہ لیا......

آپ کے غلام مزاحم یہ سب دیکھ رہے تھے، انھیں سلیمان کے بیٹے پر ترس آ گیا۔ چنانچہ اس نے کہا:

''امیر المومنین! آپ سلیمان کے بیٹے کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں۔ آپ کو اس کے رونے پر بھی ترس نہیں آیا۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''میں سلیمان کے اس بیٹے کے لیے اسی قدر محبت کے جذبات رکھتا ہوں جس قدر اپنی اولاد کے لیے رکھتا ہوں، لیکن کیا کروں، معاملہ دین کا ہے۔ کل اللہ کو حساب دینا ہے۔''

ایک شخص عمر بن نباتہ سے ولید بن عبدالملک کو بہت محبت تھی۔ اس نے اسے ایک فوجی دستے کا امیر مقرر کر رکھا تھا۔ اس فوجی دستے پر اسی کا حکم چلتا تھا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ظلم و جبر سے حاصل کی ہوئی جائیدادیں حق داروں کو دلوا رہے تھے تو یہ شخص عمر بن نباتہ

اس پر بہت غضب ناک ہوا۔ اس نے سخت غصے میں ایک خط آپ کو لکھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

''آپ نے سابقہ خلفاء کو داغ دار بنا دیا ہے...... ان کے طریقے کو چھوڑ کر ایک نیا طریقہ اختیار کر لیا ہے اور ان کی اولاد کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا ہے اور آپ نے اس رشتے کو کاٹ دیا ہے جس کو ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے، کیونکہ آپ نے قریش کے مال اور ان کی جائیدادیں بیت المال میں جمع کرا دی ہیں۔ آپ کا یہ عمل ناقابلِ معافی ہے۔''

اس خط کے جواب میں آپ نے اسے لکھا:

''تیرا خط ملا۔ میں تجھے اس سے بہتر جواب دے رہا ہوں۔ اے ابن ولید! تیرا ابتدائی حال وہ ہے جس سے تو بخوبی واقف ہے، کیونکہ تیری ماں نباتہ قبیلے کی ایک لونڈی تھی۔ وہ گانا بجانا اور رقص کرتی تھی۔ حمص کے بازاروں میں وہ دکان در دکان پھرا کرتی تھی۔ اسے دیان کے مسلمانوں نے مال سے خرید لیا اور بطور ہدیہ تیرے باپ کے پاس بھیج دیا۔ اس لونڈی سے تو بدترین بچہ پیدا ہوا۔ پھر تیری پرورش ایک ظالم اور سرکش کے طور پر ہوئی۔ تو مجھے اس وجہ سے ظالم اور جابر کہتا ہے کہ میں نے تجھے اور تیرے گھوڑے کو اللہ کے اس مال سے محروم کر دیا ہے جو دراصل تیرا نہیں ہے، بلکہ غریبوں، مسکینوں اور بیواؤں کا مال ہے۔ سن! سب سے بڑا ظالم وہ ہے جس نے تجھ جیسے نادان بچے کو اسلامی فوج کے ایک دستے کا حاکم بنا دیا...... اور تو اس پر اپنی مرضی سے حکم چلاتا تھا، لہٰذا تجھ پر بھی افسوس اور تیرے باپ پر بھی افسوس۔ قیامت کے دن کتنے لوگ تم باپ بیٹے سے جھگڑنے والے ہوں گے۔ تو اور تیرا باپ جھگڑنے والوں سے چھٹکارا پائیں گے۔

اور مزید سن! وہ شخص انتہائی ظالم ہے، اللہ کے عہد کو توڑنے والا ہے جس نے حجاج بن یوسف جیسے ظالم کو حاکم بنایا۔ وہ حرام خون ریزی کرتا تھا اور حرام مال حاصل کرتا تھا۔ اس نے قرہ بن شریک کو مصر جیسے صوبے کا حاکم بنا دیا اور یہ شخص بالکل گنوار تھا۔ حجاج نے اسے ہر قسم کے کھیل کود اور شراب و کباب کی چھوٹ دے دی۔

ابن نباتہ! انتظار کر جب میں تیرے اور تیرے گھر والوں کے لیے فارغ ہو جاؤں...... اور ان کو ایک روشن راستے پر چھوڑ دوں، کیونکہ تم ایک طویل زمانے سے حق کو چھوڑے ہوئے ہو۔ شراب و کباب اور لہو ولعب میں مشغول ہو۔ ابن نباتہ! عن قریب میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں گا کہ میں تجھے فروخت کر کے تیری قیمت مسکینوں اور بیواؤں پر خرچ کر دوں گا کہ ان کا حق تو آج تک کھاتا رہا ہے۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے، میں عن قریب ایک ایسا شخص تیری طرف بھیجنے والا ہوں، جو تیری پیشانی کے بدترین بال کاٹ دے گا۔"

عنبسہ بن سعید بن عاص بنوامیہ کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ خلفاء کے پاس اس کا کثرت سے آنا جانا تھا۔ وہ اس قدر مال دار تھا کہ اسے مال کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن لالچی ہونے کی وجہ سے وہ خلفاء سے مانگتا ہی رہتا تھا۔ اس کا پیٹ پھر بھی نہیں بھرتا تھا۔ سلیمان نے مرنے سے پہلے اسے 20 ہزار دینار عطیہ کے طور پر دیے تھے۔ وہ اس طرح دئیے تھے کہ اسے ایک تحریر لکھ کر دے دی کہ وہ یہ رقم بیت المال سے لے لے۔ عنبسہ یہ تحریر پا کر بہت خوش ہوا۔ ابھی اس نے یہ رقم بیت المال سے لی نہیں تھی کہ سلیمان کا انتقال ہو گیا اور بیت المال کو تالا لگا دیا گیا۔ لہٰذا یہ تحریر نئے خلیفہ کا حکم ہونے کے لیے روک لی گئی۔ عنبسہ

کی بدقسمتی کہ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز بن گئے، لیکن عنبسہ ناامید نہیں تھا، کیونکہ عمر بن عبدالعزیز بھی اس کے دوست تھے۔ ایک روز وہ آپ کے پاس آیا۔ اس نے دیکھا، آپ کے دروازے پر بنوامیہ کے لوگ کھڑے ہیں۔ لوگوں نے عنبسہ کو دیکھا تو آپس میں کہنے لگے، پہلے اسے جانے دو اور دیکھو کہ اس کا کام بنتا ہے یا نہیں...... کیونکہ یہ خلیفہ کا دوست ہے...... عنبسہ اندر گیا۔ اس نے حضرت عمر سے کہا:

''امیر المومنین! ہماری آپ سے رشتے داری ہے...... اور آپ کی قوم آپ کے دروازے پر کھڑی ہے...... یہ لوگ اس لیے آئے ہیں کہ آپ سے پہلے خلفاء انھیں جو دیا کرتے تھے، آپ بھی انھیں دیں۔''

اس کی بات سن کر حضرت عمر نے فرمایا:

''عنبسہ! میرے مال میں تمہارے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ باقی رہا بیت المال، سو اس میں تمہارا اور دوسرے لوگوں کا برابر کا حق ہے...... تم اگر میرے رشتے دار ہو تو میں تمہیں دوسروں کا حق نہیں دے سکتا۔''

آپ کا جواب سن کر عنبسہ نے کہا:

''اس صورت میں آپ کی قوم کسی اور جگہ جانے کی اجازت مانگتی ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''وہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں۔''

اب عنبسہ نے بات تبدیل کی اور بولا:

''امیر المومنین! سلیمان بن عبدالملک نے مجھے ایک عطیہ دیا تھا، ابھی میں نے وہ عطیہ بیت المال سے لیا نہیں تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ مہربانی کر کے آپ مجھے یہ عطیہ دے

دیں۔ میرے آپ سے جس قدر گہرے تعلقات ہیں، اس قدر تو سلیمان سے بھی نہیں تھے۔''

آپ نے اس سے پوچھا: ''وہ عطیہ کتنی رقم کا ہے۔''

اس نے جواب دیا:

''بیس ہزار دینار کا۔'' (دینار سونے کے سکے کا نام ہے)

اتنی بڑی رقم کا سن کر حضرت عمر رحمہ اللہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

آپ نے فرمایا:

''بیس ہزار دینار تو مسلمانوں کے چار ہزار گھرانوں کے کام آسکتے ہیں، اتنی بڑی رقم میں ایک شخص کو دے دوں، اللہ کی قسم یہ نہیں ہوسکتا۔''

یہ سن کر عنبسہ نے کہا:

''پھر تو آپ مجھے بھی اجازت دے دیں کہ میں اپنی قوم کے ساتھ کسی دوسری جگہ چلا جاؤں۔''

آپ نے فرمایا:

''میں نے تمہیں اجازت دی۔''

عنبسہ کمرے سے نکلنے لگا تو آپ نے آواز دی۔

''عنبسہ!''

یہ واپس پلٹا، اس خیال سے کہ شاید آپ نے اپنی رائے بدل دی ہے...... اس نے سنا، آپ فرما رہے تھے۔

''عنبسہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو...... اگر تم پر تنگی ہے تو موت کی یاد تمہاری تنگی دور کردے گی اور اگر فراخی ہے تو اس سے دنیا ہیچ نظر آئے گی۔''

عنبسہ کو محسوس ہوا جیسے آپ اس سے مذاق کر رہے ہیں، یہ سن کر وہ پھر باہر جانے لگا تو آپ نے اسے پھر آواز دی...... اور فرمایا:

''عنبسہ میرے خیال میں تو تمہیں کہیں نہیں جانا چاہیے...... یہیں رہو...... میں سلیمان کی چھوڑی ہوئی چیزیں فروخت کرنے لگا ہوں...... تم ان کو خرید لو...... اس طرح کچھ تمہارا کام چل جائے گا۔''

آپ کے اس ارشاد کے مطابق عنبسہ نے وہ چیزیں خرید لیں، پھر ان کو عراق جا کر فروخت کیا تو اسے کافی نفع ہوا۔

ان حالات میں تمام بڑے بڑے لوگ ایک جگہ جمع ہوئے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور سب نے ایک بات طے کر لی۔

وہ بات یہ تھی کہ حضرت عمر رحمہ اللہ اپنے ماتحت مال میں اپنی رائے اور اپنا فیصلہ نافذ کریں، لیکن آپ سے پہلے خلفاء نے جو کچھ امیروں وغیرہ کو دیا ہے، اس میں دخل نہ دیں...... کیونکہ جو ہو چکا، وہ غلط تھا یا صحیح، اب اسے نہ چھیڑا جائے...... اگر یہ کام غلط تھا...... یعنی بغیر حق کے ان لوگوں کو مال دیے گئے تھے تو اس کا گناہ سابقہ خلفاء پر ہوگا، حضرت عمر پر نہیں ہوگا۔

یہ بات جب طے کر لی گئی تو ہشام بن عبدالملک کے ذریعے حضرت عمر رحمہ اللہ تک پہنچائی۔ آپ نے پوری بات سن کر فرمایا:

''میں اللہ کی کتاب کے مطابق عمل درآمد کروں گا، مال چاہے، میرے ماتحت ہو یا سابقہ خلفاء کا دیا ہوا ہو۔''

اس پر امراء نے بہت ہنگامہ کیا، لیکن آپ اپنی بات پر اڑے رہے...... آخر کار امراء نے جان لیا کہ آپ نے جو فیصلہ کر لیا ہے، اس پر عمل کیے بغیر نہیں رہیں گے تو ہنگاموں سے باز آ گئے۔

اسی طرح ایک واقعہ خلیفہ ولید کے بیٹے کا ہے۔ اس کا نام روح تھا۔ یہ بہت ظالم تھا۔ لوگوں کے ساتھ بہت زیادتیاں کرتا تھا...... لوگ اس سے خوف زدہ رہتے تھے...... اس کے باپ ولید نے حمص میں کچھ جاگیر اس کے نام کر دی تھی...... اور اس کی دستاویز بھی لکھ دی تھیں...... حمص والے اس بات کی شکایت لے کر حضرت عمر رحمہ اللہ کے پاس آئے...... ان کی بات سن کر آپ نے روح کو بلا لیا اور اس سے فرمایا:

''ان کی جگہیں چھوڑ دو۔''

جواب میں روح نے کہا:

''خلیفہ ولید کی دی ہوئی دستاویز کی رو سے یہ زمینیں میری ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''ان کی جگہیں انھیں دے دو۔''

یہ لوگ باہر نکل آئے...... راستے میں روح حمص کے لوگوں کو ڈرانے دھمکانے لگا...... ان حالات کی خبر آپ کو بھی ہو گئی...... آپ نے کعب بن حامد کو بلایا، یہ جلاد تھا، آپ نے اس سے فرمایا:

''روح بن ولید کے پاس جا، اگر وہ اہلِ حمص کی دکانیں واپس کر دے تو ٹھیک..... ورنہ اس کا سر کاٹ کر لے آ۔''

کعب بن حامد ننگی تلوار لے کر روانہ ہوئے..... روح نے جب جلاد کو ننگی تلوار لیے آتے دیکھا تو ڈر گیا..... اور اس نے عاجز ہو کر وہ تمام جگہ اہلِ حمص کو دے دی.....

آپ پر امراء نے جو اعتراضات کیے تھے، آپ نے ان سب کے جوابات دیے، لیکن بنو امیہ کے جن لوگوں سے جائیدادیں اور مال چھین کر اصل حق داروں کو دیے گئے، وہ کب آرام سے بیٹھنے والے تھے۔ ایک دن وہ سب جمع ہو کر آپ کے دروازے پر آ گئے۔ انھوں نے آپ کے فرزند عبدالملک سے کہا:

''یا تو ہم لوگوں کو اندر جانے کی اجازت دلواؤ، یا پھر اپنے ابا جان سے کہو، ان سے پہلے جو خلیفہ تھے، وہ ہمیں مال دیتے رہتے تھے..... ہمارے مرتبوں کا لحاظ رکھتے تھے، لیکن تمہارے ابا نے ہمیں ہر قسم کے مال و دولت سے محروم کر دیا ہے۔''

عبدالملک نے ان کا پیغام اندر پہنچایا۔ آپ نے عبدالملک سے فرمایا:

''ان لوگوں سے جا کر کہہ دو کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا تو قیامت کے عذاب سے مجھے خوف آتا ہے، میں آپ لوگوں کو ناجائز رعایتیں نہیں دے سکتا۔''

یہ شکایت صرف امراء ہی کو آپ سے نہیں تھی، بلکہ آپ کے قریبی لوگوں کو بھی تھی..... آپ نے جب اپنے قریبی لوگوں کے گزارا الاؤنس بند کر دیے تو انھوں نے بھی اسی قسم کی شکایت کی۔ جواب میں آپ نے فرمایا:

''بیت المال میں تم لوگوں کا حق اس سے زیادہ نہیں بنتا جتنا ملک کی آخری حدود

میں رہنے والے کسی شخص کا بنتا ہے۔''

آخر کار حضرت عمر رحمہ اللہ کی ان تمام کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں سے چھینی گئی تمام زمینیں ان لوگوں کو واپس مل گئیں جن سے وہ چھینی گئی تھیں۔ جو زمینیں عرب کے دیہاتیوں سے چھینی گئی تھیں، وہ بھی لوٹا دی گئیں۔ یہاں تک ہوا کہ خلیفہ عبدالملک نے ایک شخص ابراہیم بن طلحہ کے گھر پر قبضہ کر لیا تھا، عبدالملک کے بعد یہ گھر سلیمان کے قبضے میں رہا یہاں تک کہ حضرت عمر نے ابراہیم کو واپس دلوایا، غرض جس جس زمین پر کسی نے ناجائز قبضہ کر رکھا تھا...... وہ سب آپ نے حق داروں کو واپس دلوائیں اور اس کام میں اس قدر پختگی دکھائی کہ آپ کے بعد اس کی مثال ملنا مشکل ہے...... آپ نے اس بات کی بھی ذرہ بھر پروانہ کی کہ اس طرح رشتے داران سے منہ موڑ لیں گے...... تعلقات توڑ لیں گے...... آپ نے نہ تو کسی کی دھمکی کی پروا کی، نہ کسی کی سفارش مانی...... جو کرنا تھا، بس وہ کر گزرے۔

اس بہت بڑے کام سے فارغ ہو کر آپ نے ظالم قسم کے گورنروں اور افسروں کی طرف توجہ دی۔ انھیں برطرف کیا۔ حجاج بن یوسف بنو امیہ کا سب سے ظالم حکمران تھا۔ اس کے خاندان والے بھی اسی جیسے ظالم اور جابر بن گئے تھے۔ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد حجاج بن یوسف کے پورے خاندان کو یمن کی طرف جلاوطن کر دیا اور وہاں کے گورنر کو لکھا:

''میں ان لوگوں کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں جو عرب میں بدترین خاندان ہے۔ ان لوگوں کو ادھر اُدھر منتشر کر دو...... تا کہ یہ ایک جگہ جمع ہو کر سلطنت کے خلاف سازشیں نہ کر سکیں۔''

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام ان ظالم اور جابر لوگوں کے مظالم سے محفوظ ہو گئے

اور انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

اپنے اس کام کے بارے میں آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت سالم رحمہ اللہ سے بھی مشورہ کیا۔ انھوں نے فرمایا:

''آپ ان ظالم اور جابر لوگوں کو برطرف کرتے ہوئے یہ نہ سوچیں کہ آپ کو کام کرنے کے لیے کوئی صحیح آدمی نہیں ملے گا۔ اس وجہ سے کوئی ظالم و جابر شخص اس کے عہدے پر نہ رہنے دیں۔ جب آپ اللہ کی رضا کے لیے بدکار حاکموں اور افسروں کو برطرف کر دیں گے، تو اللہ تعالیٰ صحیح اور مناسب آدمی کو مہیا فرما دیں گے۔ جب کسی انسان کی نیت درست ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پوری مدد کی جاتی ہے۔ (سیرت ابن جوزی: 130)

حضرت عمر رحمہ اللہ نے اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے تمام ظالم اور جابر گورنروں اور امرا کو برطرف کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے ہر اس افسر اور حکمران کو معزول کیا جس نے مسلمانوں کا خون بہایا تھا، اگرچہ وہ آپ کا عزیز ہی کیوں نہ تھا۔

مصر کا خراج وصول کرنے پر اسامہ بن زید تنوخی مقرر تھا۔ یہ شخص نہایت ظالم اور جابر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں سے بھی زیادہ سزائیں انسانوں کو دیتا تھا۔ لوگوں کے ہاتھ کٹوا دیتا تھا۔ اسے برطرف کر کے آپ نے اس کے بارے میں حکم فرمایا:

''اسے ہر علاقے کی جیل میں ایک سال رکھا جائے اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر رکھے جائیں۔ صرف نماز کے اوقات میں ہاتھ پیر کھولے جائیں۔ یہ ایک سال تک مصر میں قید رہا، پھر فلسطین کی جیل میں بھیج دیا گیا۔ وہاں بھی یہ ایک سال تک جیل میں رہا۔

اسی طرح آپ نے یزید بن ابی مسلم کو افریقہ سے برطرف کیا۔ یہ بہت غلط قسم کا آدمی تھا۔ ظاہر میں عبادت گزار بنتا تھا مگر ظالمانہ حکم جاری کرتا رہتا تھا۔ جب اس کے سامنے لوگوں کو سزائیں دی جاتیں تو یہ اس وقت تسبیح اور ذکر میں مصروف رہتا۔ ساتھ ساتھ سزائیں بھی سناتا رہتا۔ مثلاً یہ کہتا تھا:

''سبحان اللہ، الحمدللہ، او لڑکے، اسے فلاں جگہ سے باندھو، لا الہ اللہ او لڑکے اسے سختی سے باندھو۔''

یہ تھی اس کی بدترین حالت۔ اس بنا پر آپ نے اسے بھی معزول کر دیا۔ اس قسم کے کام آپ نے خلیفہ بننے کے فوراً بعد کیے اور یہ کام انجام دینے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی۔ آپ سلیمان کے کفن دفن سے فارغ ہوئے اور قبرستان سے واپس آنے لگے تو آپ کے لیے شاہی سواریاں لائی گئیں۔ آپ نے پوچھا۔

''یہ کیا ہے؟''

آپ کو بتایا گیا:

''یہ شاہی سواریاں ہیں۔ ان پر کبھی کوئی سوار نہیں ہوا۔ نیا خلیفہ ہی پہلی بار ان پر سوار ہوتا ہے۔''

آپ نے اپنے خادم سے فرمایا:

''مزاحم! یہ تمام سواریاں بیت المال میں جمع کر دو۔''

اس وقت کا ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی نیا خلیفہ خلافت سنبھالتا تو اس کے لیے شامیانے نصب کیے جاتے تھے۔ آپ کے لیے بھی شامیانے نصب کیے گئے تھے۔ ان کو

دیکھ کر آپ نے پوچھا:

''اور یہ کیا ہے۔''

آپ کو بتایا گیا:

''یہ نئی خلافت کے خیمے اور شامیانے ہیں۔ ان کو آج تک کسی نے استعمال نہیں کیا...... پہلی مرتبہ ان میں نئے خلیفہ ہی تشریف فرما ہوں گے۔''

آپ نے فرمایا:

''مزاحم! ان کو بھی بیت المال میں جمع کر دو۔''

اس کے بعد آپ اپنے خچر پر سوار ہوئے اور اس جگہ پہنچے جو آپ کے بیٹھنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ اس جگہ پر نہ جانے کیا کچھ بچھایا گیا تھا۔ آپ نے ان سب چیزوں کو اپنے پیروں سے ہٹا دیا اور چٹائی پر بیٹھ گئے اور فرمایا:

''ان سب چیزوں کو بھی بیت المال میں داخل کر دو۔''

• اس دور کا ایک دستور یہ تھا کہ جب کسی خلیفہ کا انتقال ہو جاتا تو اس کے لباس، استعمال کی دوسری چیزیں، اس کے بال بچوں کا حق سمجھی جاتی تھیں۔ جو عطر اور لباس وغیرہ ابھی استعمال نہیں کیے ہوئے تھے، وہ نئے خلیفہ کو مل جاتے تھے۔ سلیمان کے گھر والوں کی ساری رات اس کام میں گزری کہ تیل اور خوشبوؤں کو ایک شیشی سے دوسری میں الٹتے رہے اور جو کپڑے سلیمان نے اب تک نہیں پہنے تھے، ان کو پہن پہن کر ایسے بناتے رہے، گویا وہ استعمال شدہ ہیں۔

صبح ہوئی تو سلیمان کے گھر والوں نے وہ تمام چیزیں لا کر آپ کے قدموں میں ڈھیر

کر دیں اور پھر ان کو یہ کہتے ہوئے الگ الگ کرنے لگے:

''یہ آپ کی ہیں، یہ ہماری۔''

آپ نے پوچھا:

''یہ اور وہ کا کیا مطلب ہے۔''

انھوں نے بتایا:

''جو کپڑے اور عطریات سابقہ خلیفہ استعمال کر چکے ہیں، وہ اس کی اولاد کا حق ہے..... جن کو ابھی تک استعمال نہیں کیا گیا..... وہ نئے خلیفہ کا حق ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''یہ ساری چیزیں، نہ میری ہیں نہ تمہاری..... مزاحم ان سب کو بیت المال میں جمع کر دو..... یہ سب مسلمانوں کا مال ہے۔''

یہ حال دیکھ کر امراء اور وزراء نے آپس میں کہا:

''یہ سب چیزیں تو ہاتھ سے گئیں..... ان میں سے تو اب ہمیں کچھ ملے گا نہیں..... اب صرف ایک چیز رہ گئی ہے، وہ ہیں لونڈیاں..... انھیں بھی پیش کر کے دیکھتے ہیں..... شاید ان میں سے کچھ مل جائے، ورنہ ان صاحب سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔''

چنانچہ حسین اور جمیل لونڈیاں آپ کے سامنے لا کھڑی کی گئیں۔ آپ نے ان میں سے ایک سے پوچھا۔

''تم کون ہو، کس کی ہو اور تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے۔''

لونڈی نے بتایا:

''دراصل میں فلاں شخص کی لونڈی تھی۔ مجھے پکڑ کر یہاں لے آیا گیا، اب میں فلاں کی لونڈی ہوں۔''

آپ نے باقی لونڈیوں سے بھی سوالات کیے، پھر ان کے بارے میں فرمایا:

''ان سب کو ان کے اصل مالکان کے حوالے کر دیا جائے...... مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

ان لونڈیوں کو سواریاں دی گئیں اور انھیں ان کے شہروں کی طرف بھیج دیا گیا۔

یہ حالات دیکھ کر امیر اور وزیر سمجھ گئے کہ حضرت عمر سے انصاف کے علاوہ اور کسی قسم کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔

خلافت ملنے کے بعد تین دن تک آپ نے لوگوں سے ملاقات نہیں کی۔ لوگ انتظار کرتے رہے کہ ان کے بارے میں کیا احکامات صادر ہوتے ہیں۔ آخر تین دن بعد آپ نے عام اجلاس بلایا۔ آپ نے اعلان فرمایا:

''تمام کام شریعت کے مطابق ہوں گے...... کتاب وسنت کے مطابق فیصلے ہوں گے...... عادلانہ نظام چلے گا۔''

آپ نے دنیا کو خیر باد کہہ دیا اور زندگی کے آخری لمحات تک اس طریقے پر گامزن رہے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا:

''لوگو! تم سب کو ایک دن اللہ کے سامنے کھڑے ہونا ہے...... میں بھی کھڑا ہوں گا...... اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں اور کچھ سنتیں جاری کی ہیں...... جو شخص ان پر عمل کرے گا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے گا اور جو ان کو چھوڑ دے گا، اسے مٹا

دیا جائے گا...... جوشخص میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے، اسے پانچ چیزوں کا خیال رکھنا ہوگا۔(1) جن لوگوں کی ضرورتیں مجھ تک نہیں پہنچ پاتیں، ان کی ضرورتیں مجھ تک پہنچائے (2) عدل اور انصاف کی جو صورتیں میرے علم میں نہیں، ان کے بارے میں رہنمائی کرے (3) حق و انصاف کے قیام کے سلسلے میں میری مدد کرے (4) میری اور تمام لوگوں کی امانت کا حق ادا کرے (5) میرے سامنے کسی کی برائی نہ بیان کرے۔

جوشخص ان پانچ باتوں پر عمل نہیں کر سکتا...... اسے میرے ساتھ رہنے کا کوئی حق نہیں۔

آپ نے پہرے داروں سے فرمایا:

''جب میں باہر آنے لگوں تو کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں...... نہ مجھے سلام کرنے میں تم پہل کرو، میں باہر آ کر تمہیں السلام علیکم کہوں گا۔''

آپ نے لوگوں سے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی بہت سی سنتیں ہیں...... ان پر عمل کرنا اللہ کی کتاب کو مضبوط پکڑنا ہے...... ان سے اللہ کے دین میں قوت حاصل ہے...... ان میں تبدیلی کا کسی کو حق نہیں...... نہ سنت کے خلاف کوئی کام کرنا اچھا ہے...... جوشخص ان سنتوں سے ہدایت حاصل کرے، وہ ہدایت پر ہوگا اور جو ان سے مدد لے، اس کی مدد ہوگی اور جوشخص ان سنتوں کو چھوڑ دے، وہ راہِ ہدایت سے ہٹ جاتا ہے...... پھر وہ جدھر جائے گا...... اللہ تعالیٰ اسے اسی طرف پھیر دیں گے اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ لوٹنے کی بہت بری جگہ ہے۔''

امام مالک رحمہ اللہ آپ کے اس ارشاد کے بارے میں فرماتے ہیں:

مجھے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی یہ بات بہت پسند ہے۔ اس سے سنتیں زندہ ہوتی ہے۔"

آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا تو اس میں فرمایا:

"لوگو! تمہارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں (ختم نبوت زندہ باد) جو کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی، نہ اس کتاب کے بعد کوئی کتاب ہے۔ اب جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے حلال ٹھہرا دیں، وہ قیامت تک حلال ہی رہیں گی اور جن چیزوں کو آپ کی زبان سے حرام ٹھہرا دیا...... وہ مکمل حرام ہی رہیں گی...... خوب سمجھ لو، میں فیصلہ کرنے والا نہیں، میں تو بس اللہ اور رسول کے فیصلوں کو اللہ کی خاطر نافذ کرنے والا ہوں...... میں کوئی نیا راستہ نہیں نکالوں گا، بلکہ پہلوں کے راستے پر چلوں گا...... سن لو! اللہ کی نافرمانی کی صورت میں کسی کی فرماں برداری جائز نہیں...... میں تم سے بہتر نہیں ہوں...... تم ہی میں سے ایک فرد ہوں...... البتہ میری ذمے داریاں تم سب سے زیادہ ہیں...... لوگو! سب سے افضل عبادت فرائض کا ادا کرنا اور محرمات سے بچنا ہے (یعنی جو چیزیں حرام کر دی گئیں) بس مجھے یہی کہنا تھا...... میں اپنے لیے اور تمہارے لیے اللہ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔"

خلیفہ بنتے ہی آپ نے عیش وعشرت پر لات ماردی۔ طرح طرح کے کھانے بند کر دیے۔ جب آپ کا کھانا تیار ہو جاتا تو کسی برتن میں رکھ کر اس کو ڈھانپ دیا جاتا۔ جب آپ تشریف لاتے تو اسے خود ہی اٹھا کر تناول فرما لیتے۔

کوفہ کی ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے آ کر کہا:

''آپ کی طرف وظیفے تقسیم ہوتے ہیں، لیکن مجھے ان میں سے کچھ بھی نہیں ملا۔ نہ میری بیٹیوں کو کچھ ملا۔''

آپ نے اس سے پوچھا:

''تیرا گواہ کون ہے۔''

''وہاں کے لوگ گواہی دیں گے۔''

آپ نے فرمایا:

''اچھا تم شام کو آنا۔ میں تحریر لکھ دوں گا۔''

پھر بولے:

''شام کا کیا پتا......کون جئے کون مرے، لاؤ ابھی لکھ دیتا ہوں۔''

حضرت عمر آندھی کی طرح چاروں طرف گھوم رہے تھے۔ آپ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ لوگوں کو ان کے حق دلوا کر رہیں گے۔ جن لوگوں کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا گیا تھا اور قبضہ کر کے وہ امیروں اور وزیروں کو دے دی گئی تھیں اور ان کے مرنے کے بعد ان کی اولادوں کو ملنے کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا، آپ نے وہ تمام جائیدادیں ان لوگوں کو واپس دلوانے کی ٹھان لی تھی۔ آپ چاہتے تھے، زمین کو ناانصافی سے پاک کر دیں گے۔ فتنوں کو ختم کر دیں۔

آپ کے سامنے خلیفہ کی سرکاری سواریاں لائی گئیں۔ وہ سواریاں اس قدر تھیں کہ ان سے زمین ہلنے لگتی تھی۔ آپ اپنے دمشق والے گھر سے نکلے تو دیکھا، کسے کسائے گھوڑے قطار در قطار کھڑے ہیں۔ ان کے سوار تلواریں سونتے ہوئے ہیں۔ قناتیں تنی ہوئی

ہیں۔ خیمے گاڑے گئے ہیں اور آپ کے آگے چلنے کے لیے محافظ دستے کا افسر تیار کھڑا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں...... میں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں۔''

تلواروں والے سواروں سے بھی آپ نے یہی فرمایا:

''مجھے تم لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔''

خلیفہ کی حفاظت کے لیے چھ سو سے زیادہ سپاہی اور پہرے دار تھے۔ آپ نے ان سب کو فارغ کر دیا۔ اپنے خچر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں اور جب وہ نظر آ گیا تو اس پر سوار ہوئے۔ اپنے خادم مزاحم سے فرمایا:

''یہ گھوڑے، قناتیں، خیمے اور تمام آرائشی سامان سب بیت المال میں جمع کرا دو۔ یہ سب مال مسلمانوں کا ہے۔ میرا اس پر کوئی حق نہیں۔''

ایسے میں آپ کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی...... اس کا کرتہ پھٹا نظر آیا...... غالباً کسی چیز میں الجھ کر اسی وقت پھٹا تھا...... آپ نے اس سے فرمایا:

''بیٹا! اپنے کرتے کا گریبان درست کر لو...... کیونکہ تمہیں اس کی اتنی ضرورت پہلے کبھی نہیں تھی جتنی آج ہے۔''

اسی حالت میں خالد بن ریان آپ کے سامنے حاضر ہوا۔ یہ کسی بڑے عہدے پر تھا۔ ولید کے دور میں اس نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا...... لیکن حکومت میں ہونے کی وجہ سے اسے کسی نے کوئی سزا نہیں دی تھی...... اب بھی یہ آپ کے پاس اس لیے آیا تھا کہ نئے خلیفہ

سے نئے احکامات حاصل کرے...... آپ نے اسے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا...... اسے حکم دیا:

''یہ تلوار یہاں رکھ دے۔''

اس نے تلوار رکھ دی۔ اب آپ نے اس سے فرمایا:

''جاؤ! میں تمہیں معزول کرتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ نے یہ الفاظ کہے:

''اے اللہ! میں نے تیری رضا کے لیے خالد بن ریان کو گرا دیا ہے...... اب اسے کبھی نہ اٹھانا۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی۔ خالد بن ریان جب تک زندہ رہا، کبھی کسی کی زبان پر اس کا ذکر تک نہ آیا۔ یعنی کسی نے اسے منہ نہ لگایا۔

اب حضرت عمر رحمہ اللہ نے پہرے داروں کی طرف دیکھا۔ ان میں آپ کو عمرو بن مہاجر نظر آئے۔ یہ بہت پرہیز گار تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''عمرو! میں نے تمہیں کثرت سے قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہوئے پایا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ تم نوافل ایسی جگہ پڑھتے ہو، جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھ سکے...... اور نماز بھی تم خوب سنوار کر پڑھتے ہو...... یہ تلوار اٹھا لو...... میں تمہیں پہرے دار مقرر کرتا ہوں۔''

آپ کی بیوی فاطمہ، خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھیں۔ ایک خلیفہ کی پوتی تھیں اور کئی خلفاء کی بہن تھیں۔

خلیفہ بنتے ہی آپ نے ان کے تمام جواہرات اور زیورات اور دوسری قیمتی چیزیں

بیت المال میں جمع کرادیں۔ آپ نے محسوس کیا کہ فاطمہ ان کے اس اقدام سے خوش نہیں تھیں...... چنانچہ آپ نے ان سے صاف صاف کہہ دیا:

''تمہیں اختیار ہے، میرے پاس رہو یا اپنے میکے چلی جاؤ۔''

کہنے کا مطلب تھا کہ میرے ساتھ رہنا ہے تو ان زیورات اور جواہرات کا خیال دل سے نکالنا ہوگا، زیورات اور جواہرات چاہییں تو پھر میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔

یہ سن کر فاطمہ راضی ہوگئیں اور بول اٹھیں۔

''میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔''

انھوں نے اپنے گھر کے اخراجات کے لیے بھی اتنا ہی مقرر کیا جتنا عام مسلمانوں کو ملتا تھا۔ آپ نے جو سلوک فاطمہ کے ساتھ کیا تھا، وہی سلوک اپنی تمام اولاد یعنی بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ کیا۔ ان کے بھی تمام زیورات اور قیمتی چیزیں بیت المال میں داخل کرا دیں۔

آپ کی ایک بچی کو کہیں سے ایک موتی مل گیا۔ اس نے آپ سے کہا:

''اگر آپ مجھے اس جیسا ایک موتی دے دیں تو میں یہ دو موتی اپنے کانوں میں پہن لوں گی۔''

آپ نے بچی کے سامنے دو انگارے رکھ دیے اور فرمایا:

''اگر تم یہ دونوں انگارے کانوں میں پہن سکتی ہو تو میں تمہارے لیے موتی کا انتظام کر دیتا ہوں۔''

بچی یہ سن کر خاموش ہوگئی۔

کسی نے آپ کو بتایا:

''آپ کے ایک بیٹے نے انگوٹھی کے لیے ایک نگ ایک ہزار درہم میں خریدا ہے۔''

آپ نے فوراً اپنے بیٹے کو خط لکھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

''میں نے سنا ہے، تم نے انگوٹھی کے لیے ایک نگ ایک ہزار درہم میں خریدا ہے...... اس نگ کو فوراً بیچ دو اور اس کی قیمت اللہ کے راستے میں دے دو۔ ایک درہم کی دوسری انگوٹھی خرید لو۔ اس پر یہ الفاظ لکھوا لو: اللہ اس پر رحم فرمائے جو اپنا مرتبہ پہچانے۔''

آپ کے ایک غلام کا نام درہم تھا۔ وہ آپ کے لیے لکڑیاں لایا کرتا تھا۔ خلیفہ بننے کے چند دن بعد آپ نے اس سے پوچھا:

''درہم! لوگ کیا کہتے ہیں۔''

اس نے کہا: ''لوگ کیا کہیں گے...... وہ سب مزے میں ہیں...... بس میں اور آپ تکلیف میں ہیں۔''

حضرت عمر نے پوچھا: ''یہ کیوں؟''

اس نے کہا: ''خلافت ملنے سے پہلے میں نے آپ کو خوشبوؤں میں بسے لباس پہنتے دیکھا ہے۔ عمدہ عمدہ گھوڑوں پر سواری کرتے دیکھا ہے۔ مزے مزے کے کھانے کھاتے دیکھا ہے۔ اب جب آپ کو خلافت ملی تو میرا خیال تھا، مجھے آرام ملے گا۔ کام کا بوجھ مجھ سے ہلکا ہو جائے گا، لیکن مجھ پر تو اب کام کا بوجھ اور بڑھ گیا ہے اور آپ بھی تکلیف میں پھنس گئے ہیں۔''

حضرت عمر نے اس کی بات سنی تو فرمایا:

''اچھا! تم آزاد ہو، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، جہاں جانا چاہتے ہو، چلے جاؤ۔''

آپ کی اصلاحات نے امراء میں زبردست بے چینی پیدا کر دی تھی۔ ان کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ ایک امیر نے تو آپ کو طیش بھرا خط بھی لکھ دیا۔ آپ نے خط پڑھا اور جواب میں لکھا:

''ایک دن آنے والا ہے..... جب لوگوں کو ذبح کیا جائے گا اور میرا خیال ہے، ذبح کا یہ عمل میرے ہاتھوں ہو گا۔''

یہ خط پڑھ کر ہنگامے کرنے والے رک گئے۔ ڈر گئے اور سمجھ گئے کہ عمر جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو پھر اسے کر کے چھوڑتے ہیں۔

آپ کی بیوی فاطمہ کے ایک بھائی مسلمہ تھے، یہ بڑے بہادر مجاہد کمانڈر تھے۔ انھیں حضرت عمر سے بہت محبت تھی۔ حضرت عمر بھی ان سے اسی طرح بہت محبت کرتے تھے۔ مسلمہ میں ایک بری عادت تھی۔ وہ طرح طرح کے کھانوں کے شوقین تھے..... اور پوری طرح فضول خرچی کرتے تھے..... حضرت عمر رحمہ اللہ کو ان کی اس عادت کا پتا تھا۔ آپ دعا کیا کرتے تھے:

''کاش! مسلمہ یہ فضول خرچی چھوڑ دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شوق انھیں حرام میں الجھا دے۔''

ایک دن حضرت عمر نے انھیں حکم دیا:

''آپ صبح صبح میرے پاس پہنچ جائیں۔''

انھیں یہ پیغام بھیج کر آپ نے اپنے لیے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے لیے

مسور کی دال پکائی گئی۔ مسلمہ کے لیے طرح طرح کے کھانے تیار کیے گئے۔

مسلمہ آیا تو آپ نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور اس سے باتیں کرنے لگے...... یہاں تک کہ کافی وقت گزر گیا اور مارے بھوک کے مسلمہ کا برا حال ہو گیا...... جب وہ بھوک سے بری طرح بے چین ہو گئے تو آپ نے خادم کو اپنا کھانا لانے کا حکم دیا...... آپ کے لیے مسور کی دال آ گئی...... آپ نے مسلمہ سے فرمایا:

''یہ میرا کھانا ہے...... آپ کا کھانا تھوڑی دیر بعد آئے گا۔''

یہ کہہ کر آپ لگے کھانے...... مسلمہ سے بھوک برداشت نہیں ہو رہی تھی...... وہ بھی بے تابانہ انداز میں آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے اور دال روٹی خوب پیٹ بھر کر کھا گئے۔

کچھ دیر بعد ان کے سامنے طرح طرح کے کھانے سجائے گئے۔ حضرت عمر نے ان سے فرمایا:

''یہ ہے آپ کا کھانا جو خاص طور پر آپ کے لیے تیار کرایا گیا ہے۔''

مسلمہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''میں تو پیٹ بھر کر کھا چکا ہوں۔ اب تو بالکل گنجائش نہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''نہیں بھئی...... کھاؤ۔''

مسلمہ نے کہا:

''امیر المومنین! بالکل کوئی جگہ نہیں ہے۔''

اب آپ نے اس سے فرمایا:

''اگر مسور کی دال سے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا جا سکتا ہے تو پھر کھانے کے سلسلے میں اس قدر فضول خرچی کی کیا ضرورت ہے...... کیوں آگ میں گھستے ہو...... یہ دال ہی کافی ہے۔''

اس دن کے بعد مسلمہ نے طرح طرح کے کھانوں سے توبہ کر لی۔

عمر ماضی میں خوب خوشبو لگایا کرتے تھے، فضول خرچی کی حد بھی پھلانگ جاتے تھے۔ اس طرح خوشبودار تیل بھی بہت زیادہ لگاتے تھے۔ خلیفہ بننے پر آپ نے یہ سب چیزیں چھوڑ دیں۔ کسی جگہ خوشبو محسوس ہوتی تو وہاں سے ناک بند کر کے گزر جاتے۔ آپ نے اپنے کھانے پینے میں بھی اس حد تک کمی کر دی تھی کہ خون جل کر آپ کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ کھال ہڈیوں سے چمٹ گئی تھی اور جسم پر گوشت برائے نام رہ گیا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''جو کھانے پینے میں اپنے نفس کی باگ ڈور سنبھال کر نہیں رکھتا، وہ غیروں کی رہنمائی بھی نہیں کر سکتا اور جس پر اس کا پیٹ حاکم ہو، وہ حاکم ہونے کی حیثیت سے کسی کو مطمئن نہیں کر سکتا، بھرا پیٹ اسے رسوا کر کے رہتا ہے۔''

حضرت عمر رحمہ اللہ نے اپنے باطن کی بھی صفائی کی...... اس طرف خاص توجہ دی، لیکن اس پر بھی آپ کو یہی خیال رہتا تھا کہ آپ نے کچھ نہیں کیا۔ روٹی، کپڑا اور گھر جائز چیزیں ہیں، لیکن ان جائز چیزوں سے بھی خود کو بچانا صحابہ کرام کے رگ و ریشے میں سرایت کر گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی بھی یہی حالت ہو گئی تھی...... آپ نے خود کو جائز چیزوں سے بھی دور کر لیا تھا۔

کوئی آپ سے پوچھتا:

''آپ نے کیسے صبح کی؟''

آپ جواب دیتے:

''میں نے اطاعت میں دیر کی، گناہوں میں پھنس کر خالی پیٹ کی حالت میں صبح کی اور اللہ سے اچھی امیدیں رکھتا ہوں۔'' (ابن جوزی)

بچپن میں آپ فخر کے انداز میں چلتے تھے۔ جب آپ کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا گیا تو اس وقت اکڑ کر چلنے لگے...... جب آپ خلیفہ بنے تو آپ نے اس کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا...... لیکن چونکہ عادت پختہ ہو چکی تھی، اس لیے چھوٹ نہ سکی...... یہ بات محسوس کر کے آپ نے اپنے خادم مزاحم کو ہدایت کی:

''مزاحم! جب بھی میری چال میں اکڑ دیکھو تو فوراً مجھے خبردار کر دو۔''

مزاحم اس تاک میں رہنے لگے۔ جونہی محسوس کرتے کہ آپ کی چال میں اکڑ آ رہی ہے...... آپ کو خبردار کر دیتے...... پھر ہوا یہ کہ اس کوشش میں آپ کی چال ہی عجیب ہو گئی......

علی بن خدیجہ کہتے ہیں:

''میں نے آپ کو مدینہ منورہ میں دیکھا، آپ کے جسم پر بہترین کپڑے تھے۔ ان سے خوشبوؤں کی لپیٹیں اٹھ رہی تھیں اور آپ اٹھلا اٹھلا کر چل رہے تھے۔ پھر اس کے بعد جب آپ خلیفہ بن گئے تو میں نے دیکھا کہ آپ نہایت عاجزی اور انکساری سے چل رہے ہیں۔'' (ابن جوزی)

خلافت ملنے کے بعد آپ ہر وقت خوف زدہ رہنے لگے۔ آپ نے ہنسی مذاق بالکل ترک کر دیا تھا۔ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔ محرم الحرام کے پہلے عاشورے کے روزے بھی رکھتے تھے۔ قرآنِ کریم کی تلاوت باقاعدگی سے کرتے تھے۔

ایک روز اپنی بیوی فاطمہ سے کہنے لگے:

''آج کی نسبت ہم ماضی میں زیادہ آرام سے تھے نا۔''

فاطمہ بولیں:

''ہاں! امیر المومنین! آپ اس زمانے میں زیادہ عیش میں تھے۔''

آپ نے ان کی طرف سے پیٹھ پھیرتے ہوئے فرمایا:

''فاطمہ! مجھے ایک بڑے عذاب کا ڈر ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو اس کے عذاب سے کیسے بچ سکتا ہوں۔'' (ابن عبدالحکیم)

آپ نے عروہ بن محمد کو یمن کا حاکم مقرر فرمایا۔ انھوں نے وہاں کے حالات لکھے اور بتایا کہ یہاں کے لوگوں پر جزیہ کی طرح خراج کی بھی ایک رقم مقرر کی گئی۔ یہ رقم ان لوگوں کو ہر حال میں ادا کرنی پڑتی ہے۔ چاہے یہ جییں یا مریں۔

آپ نے انھیں خط لکھا، اس میں فرمایا:

''جب تمھیں میرا یہ خط ملے تو جس چیز میں تمھیں نا انصافی اور ظلم نظر آئے، اسے چھوڑ دو۔ حق اور انصاف کو اختیار کرو۔ نئے سرے سے خراج کی رقم مقرر کرو...... چاہے اس کی مقدار کتنی ہی کم کیوں نہ ہو، اس کے لیے چاہے ہمیں اپنی جانوں کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑی...... (مطلب یہ تھا کہ کم سے کم خراج مقرر کرو، لوگوں کو آسانی دو) اگر تم مجھے یمن سے

ایک مٹھی بھر خراج بھی بھیجو گے تو بھی میں تم سے ناراض نہیں ہوں گا......بس تم حق اور انصاف سے کام لو......والسلام۔''

آپ نے یحییٰ بن سعید کو افریقہ کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ آپ نے ہدایت فرمائی کہ صدقات وصول کر کے وہاں کے غریبوں میں تقسیم کرائیں۔

یحییٰ بن سعید نے صدقات وصول کر کے غریبوں کی تلاش شروع کر دی۔ انھیں کوشش کے باوجود ایک بھی ایسا شخص نہ ملا جو صدقات لے لیتا......حضرت عمر رحمہ اللہ کی اصلاحات نے سب لوگوں کو مال دار بنا دیا تھا......آخر مجبور ہو کر یحییٰ بن سعید نے اس رقم سے غلام خرید کر آزاد کیے۔

خلیفہ بننے کے بعد آپ نے تمام مسلمانوں کے نام یہ پیغام بھیجا:

''میں تمہیں اللہ کا خوف اختیار کرنے، اس کی کتاب کو لازم پکڑنے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام امور بیان فرما دیے ہیں جو تمہیں کرنے ہیں......اور جو نہیں کرنے۔''

اس کے بعد آپ نے ان تمام احکامات کی تفصیل اپنے اس پیغام میں بیان فرمائی:

آپ نے اپنے گورنروں اور لشکروں کے امیروں کو یہ حکم ارسال کیا:

''دین کا مضبوط حلقہ اور اسلام کا دارومدار اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، ٹھیک وقت پر نماز پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا ہے، نمازوں کی پابندی کرو، نمازوں کو ان کے وقت پر ہی پڑھو اور خوب جان لو کہ جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے، وہ باقی احکامِ شرعیہ کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے شاہِ روم کے پاس ایک قاصد بھیجا، یہ قاصد

ایک دن بادشاہ کے پاس سے اٹھا تو گھومتے پھرتے ایک ایسی جگہ پہنچا، جہاں ایک شخص کے قرآن پڑھنے اور چکی پیسنے کی آواز آرہی تھی، یہ اس کے پاس گیا اور اسے سلام کیا، مگر اس نے جواب نہیں دیا، اس نے دو تین مرتبہ سلام کیا، بالآخر اس نے یہ کہا کہ اس شہر میں سلام کیسا؟ قاصد نے بتایا کہ وہ شاہِ روم کے نام امیر المومنین کا ایک پیغام لے کر آیا ہے اور اس سے دریافت کیا کہ تمہاری سرگذشت کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھے فلاں جگہ سے قید کیا گیا تھا۔ مجھے شاہِ روم کے سامنے پیش کیا گیا، بادشاہ نے مجھے دعوت دی کہ میں نصرانی ہو جاؤں ورنہ مجھے اندھا کر دیا جائے گا، مگر میں نے آنکھوں کے بجائے دین کو ترجیح دی۔ چنانچہ گرم سلائیوں سے میری آنکھیں ضائع کر دی گئیں اور مجھے یہاں پہنچا دیا گیا، یومیہ اتنی گندم پیسنے کو ملتی ہے اور ایک روٹی کھانے کو۔

قاصد حضرت عمر کے پاس گیا تو اس شخص کا قصہ بھی پیش کیا، قاصد کا بیان ہے کہ میں ابھی پورا قصہ بیان نہیں کر پایا تھا کہ حضرت عمر کی آنکھوں سے آنسوؤں کا چشمہ اُبل پڑا، جس سے ان کے آگے کی جگہ تر ہوگئی، پھر شاہِ روم کے نام خط لکھا:

''امابعد! مجھے فلاں صاحب کی خبر پہنچی ہے (یہاں اس قیدی کے احوال ذکر کیے گئے) اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تو نے اس کو رہا کر کے میرے پاس نہیں بھیجا تو میں تیرے مقابلے میں ایسا لشکر بھیجوں گا، جس کا پہلا دستہ تیرے پاس ہوگا اور پچھلا میرے پاس۔''

قاصد پھر شاہِ روم کے یہاں گیا، اس نے کہا: بڑی جلدی دوبارہ آئے؟ قاصد نے حضرت عمر کا خط پیش کیا، اس نے پڑھ کر کہا: ہم نیک آدمی کو لشکر کشی کی زحمت نہیں دیں گے۔ بلکہ قیدی واپس کر دیں گے۔

قاصد کا بیان ہے کہ مجھے اس کی رہائی کے انتظار میں چند دن وہاں ٹھہرنا پڑا، ایک دن بادشاہ کے دربار میں گیا تو عجیب منظر دیکھا، بادشاہ اپنے تخت سے نیچے بیٹھا ہے اور چہرے پر حزن و ملال کے آثار تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کہا: ''جانتے ہو میں اس طرح کیوں بیٹھا ہوں؟ میں نے کہا مجھے خبر نہیں مگر آپ کی نشست کا منظر میرے لیے حیرت کا سبب ضرور ہے، بادشاہ نے کہا، مجھے بعض علاقوں سے خبر پہنچی ہے کہ اس نیک آدمی حضرت عمر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے سوگ میں اس طرح بیٹھا ہوں، پھر کہا، کوئی نیک آدمی جب برے لوگوں میں گھرا ہوا ہو تو اسے بہت کم مدت رہنے دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان کے درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔''

قاصد کہتا ہے، مجھے اس اطلاع سے اس مظلوم قیدی کی رہائی سے مایوسی ہوئی، اس لیے میں نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے واپسی کی اجازت ہو، بادشاہ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ان کی زندگی میں ان کی بات مان لیں اور ان کی موت کے بعد اس سے پھر جائیں، چنانچہ اس قیدی کو رہا کر کے میرے ساتھ بھیج دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عروہ بن عیاض بن عدی کو مکہ کا گورنر مقرر کیا، حضرت عمر مکہ سے تشریف لا رہے تھے۔ کچھ لوگ الوداع کہنے کے لیے آپ کے ساتھ آ رہے تھے، جب مرالظہر ان پہنچے۔ تو ایک شخص نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو نیکی دے۔ مجھ پر ظلم ہوا ہے اور مشکل یہ ہے کہ اسے بیان بھی نہیں کر سکتا۔ آپ نے گورنر کو مخاطب کر کے فرمایا: ''بڑے افسوس کی بات ہے تو نے اس سے حلف لے رکھا ہے؟'' پھر آپ نے ان صاحب سے فرمایا ''اگر تم سچے ہو تو بلا خوف و خطر ٹھیک بتاؤ۔'' اس نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو نیکی دے، اس نے (گورنر کی طرف اشارہ تھا) مجھ سے میرے مال کا سودا کرنا

چاہا۔ یہ چھ ہزار درہم دیتا تھا۔ میں اتنے پر فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہوا، میرے ایک قرض خواہ نے اس کے پاس استغاثہ کیا، اس نے پکڑ کر مجھے جیل میں ڈال دیا اور جب تک میں نے اپنا مال تین ہزار میں اسے نہیں دے دیا، اس نے مجھے رہا نہیں کیا اور اس نے مجھ سے طلاق کی قسم لے لی، اگر کبھی اس کی شکایت کی۔

حضرت عمر نے عروہ (گورنر صاحب) کی طرف دیکھا، پھر اپنے ہاتھ کی چھڑی اس کی آنکھوں کے درمیان نشانِ سجدہ میں چبھوتے ہوئے فرمایا، تیری اس محراب نے مجھے فریب دیا۔ پھر اس شخص سے فرمایا جا! ''تیرا مال واپس کیا جاتا ہے اور تجھ پر قسم نہیں پڑی۔''

ایک رات زیان بن عبدالعزیز، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس آئے۔ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ آخر حضرت عمر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یہ رات میرے لیے بہت لمبی ہوگئی...... نیند نہیں آرہی...... اور میرا خیال ہے، اس کا سبب وہ کھانا ہے جو میں نے رات کھایا ہے۔''

زیان نے پوچھا:

''آپ نے رات کیا کھایا تھا؟''

آپ نے فرمایا:

''مسور کی دل اور پیاز۔''

اس پر زیان نے کہا:

''آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت کشادگی دے رکھی ہے...... آپ خود ہی اپنے آپ کو تنگی میں رکھتے ہیں۔''

اس کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

''میں نے تجھے اپنی حالت بتا کر اپنا بھید کھول دیا۔ تو میرا خیر خواہ نہیں، بدخواہ ہے۔ اللہ کی قسم! جب تک زندہ رہوں گا...... اپنا بھید کسی پر ظاہر نہیں کروں گا۔''

حج کے لیے آنے والوں کے نام حضرت عمر نے یہ تحریری پیغام بھیجا:

''جو شخص کسی بے انصافی کو دور کرنے کے لیے یا دین میں اصلاح کے لیے میرے پاس آئے گا، اسے اس کی حالت کے اور سفر کے مطابق ایک سو دینار انعام دیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ کسی حق کو زندہ کردے یا کسی باطل کو مٹا دے یا اس کے ذریعے کسی خیر کا دروازہ کھول دے۔''

قریش کے ایک شخص کو خلفاء کے پاس جا کر سوال کرنے کی عادت تھی۔ وہ جب بھی کسی خلیفہ کے پاس جاتا، اسے ناکامی نہیں ہوتی تھی۔ اپنے معمول کے مطابق وہ حضرت عمر رحمہ اللہ کے پاس بھی آیا اور اپنی ضروریات بیان کیں۔ آپ نے اس کی بات سن کر فرمایا:

''یہ تو جائز نہیں۔''

یہ سن کر اسے بہت غصہ آیا اور جانے کے لیے مڑ گیا۔ اس حالت میں حضرت عمر رحمہ اللہ نے اسے آواز دی۔ اس نے خیال کیا کہ خلیفہ نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے اور اب اسے کچھ دینا چاہتے ہیں، چنانچہ فوراً پلٹا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''جب تم دنیا کی کسی چیز کو دیکھو اور وہ تمہیں پسند آجائے تو موت کو یاد کرلیا کرو۔ اس سے تمہارا غم ہلکا ہو جائے گا۔ یہ نصیحت اس چیز سے بہتر ہے جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے۔''

ایک رات کچھ لوگ اپنے کسی کام سے آپ کے پاس آئے۔ چراغ جل رہا تھا۔

باتوں کے دوران چراغ کی لوکم ہوگئی۔ وہ مدھم ہو گیا۔ آپ نے یہ بات محسوس کی تو اٹھ کے چراغ کے پاس گئے اور اس کی لوکو ٹھیک کر دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا:

''امیر المومنین! آپ اس کام کے لیے ہم سے کہہ دیتے۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''کوئی بات نہیں، جب میں اٹھا، اس وقت بھی میں عمر بن عبدالعزیز تھا، اس وقت بھی میں عمر بن عبدالعزیز ہی ہوں۔''

آپ بیت المال سے اپنے لیے بس اتنا لیتے تھے جتنا ایک عام آدمی کو ملتا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں لیتے تھے۔

ایک روز آپ کے پاس بہت سا عنبر لایا گیا۔ یہ مالِ غنیمت تھا۔ آپ نے اس کو ہاتھ میں لے کر دیکھا اور حکم فرمایا:

''اسے فروخت کر دیا جائے۔''

ایسے میں آپ کا ہاتھ ناک کو جا لگا۔ آپ کو خوشبو محسوس ہوئی۔ فوراً پانی منگوایا۔ اس سے ہاتھ دھوئے، منہ دھویا۔ وہاں موجود لوگوں میں سے کسی نے پوچھا:

''کیا اس عنبر میں کوئی خاص بات تھی۔''

''نہیں...... میرے ہاتھ کو لگ گیا تھا...... اور میں اس کا حق دار نہیں تھا۔''

اسی طرح ایک دن کستوری لائی گئی۔ اس کی خوشبو محسوس ہوئی تو ہاتھ سے ناک بند کر لیا اور فرمایا:

''اسے اتنی دور رکھو کہ خوشبو نہ آئے۔''

آپ کا غلام گرم پانی کا لوٹا لے کر آتا اور آپ اس سے وضو کر لیا کرتے۔ ایک دن اس غلام سے فرمایا:

''کیا تم یہ لوٹا مسلمانوں کے کھانے پکانے کی جگہ پر لے جاتے ہو اور وہاں آگ کے پاس رکھ دیتے ہو۔''

غلام نے عرض کیا:

''جی ہاں! یہی کرتا ہوں۔''

یہ سن کر آپ ناراض ہوئے اور فرمایا:

''کم بخت! تو نے ستیاناس کر دیا..... یہ لوٹا بھر کر گرم کرو اور دیکھو کہ اس پر کتنا ایندھن لگتا ہے..... پھر ان تمام دنوں کا حساب کر کے اتنا ایندھن وہاں جمع کراؤ۔''

شدید سردی کے موسم میں آپ کو ایک رات غسل کی حاجت ہوئی۔ خادم نے پانی گرم کر کے پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا:

''کیسے گرم کیا؟''

اس نے کہا:

''عام مطبخ سے۔'' (یعنی جہاں مسلمانوں کا کھانا پکتا ہے)

آپ نے فرمایا:

''پھر اسے اٹھا لو۔''

اب آپ نے ٹھنڈے پانی سے غسل کا ارادہ کیا۔ ایک شخص نے آپ سے کہا:

''امیر المومنین! سردی بہت ہے، اپنی ذات پر رحم کریں۔ اگر مطبخ کا پانی اپنے لیے

جائز نہیں سمجھتے تو اتنے ایندھن کی قیمت بیت المال میں جمع کرا دیں۔"

چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔

آپ کے گھر کے تین افراد، آپ کے بھائی سہل، آپ کے بیٹے عبدالملک اور آپ کے غلام مزاحم آپ کے مددگار تھے۔ حق کے نافذ کرنے میں آپ کی مدد کرتے تھے۔ آپ کو ان کا بہت سہارا تھا۔ ایک بار بنی امیہ کے چند لوگ جمع ہو کر آپ کے بیٹے عبدالملک کے پاس آئے اور ان سے کہا:

"آپ کے باپ نے ہم سے قطع رحمی کی ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ تھا، وہ سب ہم سے چھین لیا ہے اور ہمارے بڑوں کی عیب جوئی کی ہے۔ اللہ کی قسم! ہم اس پر صبر نہیں کریں گے۔ ان سے کہیے، یہ سب ہمارے لیے ناپسندیدہ ہے۔ اس سے باز آ جائیں۔"

عبدالملک نے ان کا یہ پیغام حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تک پہنچانے کی ہامی بھر لی۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں کی باتیں آپ کو بتائیں۔ یہ باتیں سن کر حضرت عمر رحمہ اللہ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ کو صدمے کی حالت میں دیکھ کر عبدالملک نے کہا:

"امیر المومنین! آپ جو کرنا چاہتے ہیں، وہی کیجیے۔ ان لوگوں کی دھمکیوں کی پروانہ کیجیے۔ اللہ کی خاطر اگر ہم ان لوگوں کا نشانہ بن جاتے ہیں تو یہ ہمارے لیے خوشی کی بات ہو گی۔"

حضرت عمر رحمہ اللہ بیٹے کی بات سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"اللہ پاک کا بے حد شکر ہے، اس نے سہل، عبدالملک اور مزاحم کے ذریعے میری کمر

مضبوط کردی۔''

ایک شخص نے آپ کو یہ کہہ کر پکارا: ''اے زمین میں اللہ کے خلیفہ۔''

آپ نے اس سے فرمایا: ''دیکھو! جب میں پیدا ہوا تھا تو والدین نے میرے لیے ایک نام تجویز کیا تھا، چنانچہ میرا نام عمر رکھا۔ اگر تم مجھے یا عمر کہہ کر پکارتے تو میں جواب دیتا۔ پھر میں بڑا ہو گیا تو میں نے اپنے لیے ایک کنیت پسند کی۔ میں نے اپنی کنیت ابوحفص رکھی۔ اگر تم مجھے ابوحفص کہہ کر بلاتے تو میں تمہیں جواب دیتا۔ پھر جب تم لوگوں نے خلافت میرے سپرد کر دی تو تم نے میرا نام امیر المومنین رکھا۔ اگر تم امیر المومنین کے لقب سے مجھے خطاب کرتے تو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ باقی رہا، تمہارا یہ کہنا، اے زمین میں اللہ کے خلیفہ، تو میں خود کو ایسا نہیں سمجھتا۔ زمین میں اللہ کے خلیفہ تو حضرت داؤد علیہ السلام اور ان جیسے حضرات تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا۔'' (سورہ ص)

آپ کی خدمت میں اردن سے ککڑیوں کے دو ٹوکرے بھیجے گئے۔ آپ نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟''

آپ کو بتایا گیا: ''اردن کے گورنر نے آپ کے لیے ککڑیوں کے یہ دو ٹوکرے بھیجے ہیں۔''

آپ نے پوچھا: ''یہ ٹوکرے کس چیز پر لاد کر لائے گئے۔''

آپ کو بتایا گیا: ''سرکاری ڈاک کی سواریوں پر۔''

آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ان سواریوں پر میرا حق عام مسلمانوں سے زیادہ نہیں

رکھا۔ انھیں لے جاؤ اور ان کی قیمت ڈاک کی سواریوں کے لیے چارہ خریدنے کی مد میں ڈال دو۔''

آپ کے بھتیجے یہ ساری بات سن رہے تھے۔ ٹوکرے جب بازار لے جائے گئے اور ان کی قیمت لگائی گئی تو انھوں نے یہ دونوں خرید لیے۔ ایک ٹوکرا اپنے لیے رکھ لیا اور دوسرا حضرت عمر رحمہ اللہ کو بھجوا دیا۔ حضرت عمر نے پھر ککڑیوں کا ٹوکرا دیکھا تو چونک اٹھے اور پوچھا:

''اب یہ پھر یہاں کیسے آ گیا۔''

آپ کو بتایا گیا:

''آپ کے بھتیجے نے یہ ٹوکرے خرید لیے تھے، ایک انھوں نے خود رکھ لیا، دوسرا آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''ہاں! اب ان کا کھانا میرے لیے درست ہے۔''

محمد بن کعب قرظی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ملاقات کے لیے گئے۔ حضرت عمر رحمہ اللہ کا بدن اس وقت حد درجے کمزور ہو چکا تھا۔ سر کے بال جھڑ گئے تھے۔ چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ محمد کعب قرظی نے انھیں اس وقت بھی دیکھا تھا جب آپ مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ اس وقت آپ بہت خوب صورت تھے۔ آپ کا بدن سڈول تھا۔ وہ آپ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے۔ انھیں اس طرح دیکھ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے پوچھا:

''ابن کعب! کیا بات ہے؟ خیر تو ہے، تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو، گویا پہلے

کبھی دیکھا ہی نہیں۔''

محمد بن کعب نے جواب دیا:

''تعجب کی نظروں سے دیکھ رہا ہوں۔''

حضرت عمر نے پوچھا:

''اور تمہیں کس بات پر تعجب ہے؟''

محمد بن کعب نے کہا:

''تعجب اس بات پر ہے کہ آپ کا جسم لاغر ہو چکا ہے۔ سر کے بال جھڑ گئے ہیں۔ چہرے کا رنگ کچھ کا کچھ ہو گیا ہے۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''ابن کعب! اگر تم میرے دفن کے تین دن بعد میری قبر میں مجھے دیکھو تو تمہیں کس قدر تعجب ہو گا، میری آنکھیں رخساروں پر آ گری ہوں گی، منہ اور نتھنوں سے کیڑے نکل رہے ہوں گے، پیپ بہہ رہی ہو گی، یقیناً آج کی نسبت اس دن میں نہیں پہچانا جاؤں گا۔ سنو! میں تمہیں ابن عباس کی حدیث سناتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بے شک سب سے افضل نشست وہ ہے جس میں قبلے کی طرف منہ ہو۔ تم ایک دوسرے کے پاس بطورِ امانت کے بیٹھے ہو (مطلب یہ کہ مجلس میں جو بات کہی جائے، وہ امانت ہے، اس کا ظاہر کرنا اچھا نہیں)، جو سو رہا ہے یا بے وضو ہو، اس کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ سانپ اور بچھو کو مار ڈالو، چاہے تم نماز میں ہو، دیواروں کو کپڑوں سے مت ڈھانکو۔

سن لو! جس نے بغیر اجازت اپنے بھائی کا خط پڑھا، اس نے دوزخ میں نظر کی۔ کیا میں تمہیں بتا دوں کہ بدترین لوگ کون ہیں۔ عرض کیا گیا، ضرور بتایئے۔ فرمایا، جو تنہا رہے، اپنے عطیہ اور مہمانی سے لوگوں کو محروم رکھے اور اپنے غلام اور نوکر کو مارے پیٹے۔ کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ اس سے بھی بدتر کون ہے۔ جو خطا کو معاف نہ کرے، معذرت کو قبول نہ کرے، وہ آدمی جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں۔ کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اس سے بھی بدتر کون ہے؟ وہ جس سے خیر کی توقع نہ رکھی جائے اور اس کے شر سے امن نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطبہ اور اس میں فرمایا:

''اے بنی اسرائیل! حکمت کی بات جاہلوں کے پاس مت کہو، ورنہ یہ حکمت کی بات پر ظلم ہوگا اور جو لوگ اس کے اہل ہیں، انھیں اس سے محروم نہ رکھو۔ ورنہ تم ان پر ظلم کرو گے۔ ظالم کے ہمسائے میں مت رہو، ورنہ اللہ رب العزت کے ہاں تمہاری قدر گھٹ جائے گی۔ کام بس تین طرح کے ہیں۔ ایک کام وہ ہے جس کی بھلائی واضح ہے، اس کی پیروی کرو۔ ایک وہ ہے جس کی گمراہی واضح ہے، اس سے پرہیز کرو اور ایک کام وہ ہے جس کی بھلائی اور برائی میں اختلاف ہے، اسے اللہ کے سپرد کر دو۔ یعنی نہ بحث میں وقت ضائع کرو، نہ اس پر عمل کرو۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس جب مالِ غنیمت کے غلام زیادہ ہو جاتے تو دو دو اپاہجوں کو خدمت کے لیے ایک غلام دے دیتے اور ہر نابینا کو ایک غلام دیتے۔

ایک سفر میں کسی گرجا کے پاس ٹھہرے۔ آپ نے دیکھا کہ کھانے کے تھال اِدھر اُدھر لے جائے جا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا:

''یہ تھال کیسے ہیں۔''

آپ کو بتایا گیا:

''گرجے والا لوگوں کو کھانا کھلا رہا ہے۔''

ایک تھال آپ کے لیے بھی لایا گیا۔ اس میں پستہ اور بادام تھے۔ آپ نے پوچھا:

''کیا تمام تھال اسی قسم کے ہیں۔''

آپ کو بتایا گیا:

''نہیں، یہ تھال تو خاص طور پر آپ کے لیے تیار کیا گیا ہے۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''تب پھر میں یہ نہیں کھاؤں گا، اسے اٹھالو۔''

آپ اپنی بیٹیوں کے پاس عشا کی نماز سے فارغ ہو کر جاتے تھے۔ ایک رات گئے تو بیٹیوں نے آپ کو دیکھتے ہی منہ پر ہاتھ رکھ لیے اور اندر کی طرف لپکیں۔ آپ نے خادمہ سے پوچھا۔

''انھیں کیا ہوا؟''

خادمہ نے بتایا:

''آج شام ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ مجبوراً انھوں نے مسور کی دال اور پیاز سے پیٹ بھرا ہے۔ یہ سوچ کر اندر چلی گئیں کہ آپ کو پیاز کی بو محسوس نہ ہو۔''

یہ سن کر حضرت عمر رو پڑے۔ پھر اپنی صاحب زادیوں سے فرمایا:

''بیٹی! تم رنگا رنگ کے کھانے کھا سکتی ہو، لیکن پھر ہوگا یہ کہ تمہارے باپ کو پکڑ کر

دوزخ میں لے جایا جائے گا۔''

یہ سن کر صاحب زادیوں کی چیخیں نکل گئیں۔

حضرت عمر رحمہ اللہ کے بھائی نے آپ سے عرض کیا:

''امیر المومنین! تھوڑی دیر کے لیے سواری پر سیر و تفریح کر آیا کریں۔''

آپ نے فرمایا:

''ایک ہی دن کے کام نے مجھے لاچار کر رکھا ہے۔ دو دن کا جمع ہو گیا تو کیسے ختم ہو گا۔''

جب فتنوں کی آندھیاں چل رہی تھیں، اس وقت آپ کے فرزند عبدالملک نے آپ کو عجیب سہارا دیا۔ وہ تاریخ کا ایک انوکھا نوجوان ثابت ہوا۔ نوجوان تھے، بیس سال کے بھی نہیں ہوئے تھے، لیکن آپ کا ایمان بچپن ہی سے بہت مضبوط تھا۔ کبھی حضرت عمر نرم پڑ جاتے تو یہ آپ کو جھنجھوڑ ڈالتے۔ غصے میں آجاتے، کبھی حضرت عمر کسی کام میں سرگرمی نہ دکھاتے تو یہ فوراً حرکت میں آجاتے اور آپ کو بھی حرکت میں آجانے پر مجبور کر دیتے۔ ہر معاملے میں آپ کی مدد کرتے رہے۔ آپ کے ہاتھ مضبوط کرتے رہے۔ غرض عبدالملک نے قدم قدم پر آپ کو ابھارا اور آپ میں کوئی نرمی نہ آنے دی۔

ایک روز آپ کام کرتے کرتے بہت زیادہ تھک گئے اور چاہا کہ کچھ دیر آرام کر لیں۔ چنانچہ آپ لیٹ گئے۔ عبدالملک نے فوراً کہا:

''امیر المومنین آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

’’پیارے بیٹے! اب میں ذرا سونا چاہتا ہوں۔‘‘

عبدالملک نے فوراً کہا:

’’کیا آپ کام مکمل کیے بغیر سوئیں گے؟‘‘

اس پر آپ نے فرمایا:

’’پیارے بیٹے! کل رات میں تمہارے چچا جان کے کام کے سلسلے میں رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ اب تھوڑی دیر سونے کے بعد باقی کام انجام دوں گا۔‘‘

اس پر عبدالملک نے کہا:

’’امیر المومنین! کیا آپ کو پتا ہے، آپ سو کر اٹھیں گے بھی یا نہیں، مستقبل میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی زندگی کا بھروسہ نہیں۔‘‘

یہ سنتے ہی آپ نے بیٹے سے کہا:

’’میری آنکھوں کی ٹھنڈک! ذرا میرے قریب تو آؤ۔‘‘

عبدالملک باپ کے قریب ہو گئے۔ آپ نے انھیں گلے سے لگا لیا اور ان کی پیشانی چوم لی۔ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایسا صالح بیٹا عطا فرمایا جو دین پر اتنی مدد کرتا ہے۔

اس کے بعد آپ سوئے بغیر ہی باہر آ گئے اور کام میں لگ گئے۔ اعلان بھی کرایا کہ جس پر ظلم ہوا ہے، وہ آ کر بتائے۔ امیر المومنین جاگ رہے ہیں۔

ایسے میں ایک بوڑھے ذمی نے آ کر کہا:

’’امیر المومنین! میں آپ سے اللہ کی کتاب کا فیصلہ چاہتا ہوں۔ عباس بن ولید نے

میری زمین پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔''

خلیفہ ولید کا بیٹا عباس بھی اس وقت وہیں موجود تھا۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا:

''عباس! کیا کہتے ہو؟''

اس نے جواب دیا:

''مجھے وہ زمین امیر المومنین ولید نے دی تھی اور اس کی دستاویز لکھ کر دی تھی۔ دستاویز میرے پاس موجود ہے۔''

حضرت عمر نے ذمی کی طرف دیکھا اور بولے:

''اب تم بتاؤ، تم کیا کہتے ہو؟''

ذمی نے کہا:

''امیر المومنین! میں تو اللہ کی کتاب سے فیصلہ چاہتا ہوں۔''

حضرت عمر نے اس کی بات سن کر فرمایا:

''تم نے ٹھیک کہا، اللہ کی کتاب کی پیروی ضروری ہے، عباس کھڑے ہو جاؤ اور اس کی زمین اس کے حوالے کر دو۔''

اور عباس نے زمین واپس کر دی۔

ایک دن آپ کے فرزند نے دیکھا کہ ان کے والد کوئی فیصلہ کرنے کے سلسلے میں پریشان ہیں۔ انھوں نے کہا:

''ابا جان! آپ کو انصاف کرنے سے کون سی چیز روک رہی ہے۔ اللہ کی قسم اگر مجھے اور آپ کو ابلتی دیگوں میں ڈال دیا جائے تو بھی مجھے اس کی پروا نہیں۔ ہم حق کی خاطر ہر

طرح کی قربانی کے لیے تیار ہیں۔''

بیٹے کی بات سن کر حضرت عمر نے فرمایا:

''پیارے بیٹے! میں سرکش اونٹ جیسی اس دنیا کو قابو میں کر رہا ہوں۔ میں انصاف کے تمام طریقے زندہ کرنا چاہتا ہوں، لیکن یہ کام آہستہ آہستہ کر رہا ہوں، تاکہ میں بھی دنیا کے لالچ سے نکل جاؤں اور مجھے دیکھ کر لوگوں کو بھی دنیا سے نفرت ہو جائے۔''

ایک دن عبدالملک حضرت عمر کے پاس آئے۔ اس وقت آپ کے پاس ان کے چچا مسلمہ بھی موجود تھے۔ عبدالملک نے کہا:

''آپ ذرا تنہائی میں میری بات سن لیں۔''

حضرت عمر نے پوچھا:

''کیا کوئی راز کی بات ہے۔ جسے اپنے چچا سے چھپانا چاہتے ہو۔''

عبدالملک نے فوراً کہا:

''ہاں! ایسی ہی بات ہے۔''

اس پر مسلمہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب عبدالملک اپنے والد کے پاس بیٹھ گئے اور بولے:

''امیر المومنین! کل آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے جب وہ آپ سے پوچھے گا۔ اے عمر! تو نے بدعت دیکھی تھی، لیکن اسے ہٹانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اے عمر! تو نے سنتوں کو مردہ ہوتے دیکھا تھا۔ کیا ان کو زندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔''

یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا:

''لختِ جگر! کیا اس نصیحت پر تمہیں کسی بات نے مجبور کیا ہے یا اپنے دل سے کہہ رہے ہو؟''

عبدالملک بولے:

''نہیں امیر المومنین! یہ بات میں نے اپنے دل سے کہی ہے، مجھے معلوم ہے، آپ سے یہ پوچھا جائے گا۔ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا۔''

حضرت عمر رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا:

''نورِ نظر! اللہ تمہیں بہترین جزا دے، تم پر رحم فرمائے، مجھے تم سے بڑی امید ہے، تم خیر کے کاموں میں میرے سرگرم معاون ثابت ہوں گے۔ میرے بچے، ہماری قوم نے خلافت میں بے شمار مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ظلم کی بنیادوں کو بہت مضبوط کر دیا ہے۔ جب میں ان سے ان کی جائیدادیں واپس لینے کے لیے جھگڑتا ہوں تو مجھے ایسی پھوٹ پڑ جانے کا ڈر رہتا ہے جس سے خون خرابے کی نوبت نہ آ جائے۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک دنیا کا فنا ہو جانا آسان ہے مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کا ذرا سا بھی خون نکلے۔ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ کبھی نہ کبھی وہ مبارک دن آ جائے جس دن میں بدعت کی جڑیں اکھاڑ پھینکوں اور دنیا کو سنتوں کے نور سے جگ مگا دوں، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرما دیں اور اللہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔''

ایک روز آپ نے مزاحم کو حکم دیا:

''سرکاری خزانے میں سے اتنی رقم فلاں کو دے دی جائے۔''

اس پر مزاحم بولے:

''امیر المومنین! یہ حق آپ کی اولاد کا ہے، یہ آپ کی اولاد کو دے دی جائے تو بہتر ہے۔''

یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا:

''مزاحم! میں نے اپنی اولاد اللہ کے سپرد کر دی ہے۔''

اس بات کا پتا آپ کے بیٹے عبدالملک کو چل گیا۔ فوراً مزاحم کے پاس گئے اور ان سے بولے:

''مزاحم! تم امیر المومنین کے بدترین وزیر ہو۔''

اس کے بعد آپ حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا:

''امیر المومنین! یہ مال بیت المال میں واپس کر دیا جائے۔''

جب تک مال بیت المال کو واپس نہیں کر دیا گیا، عبدالملک وہاں سے نہیں ہٹے۔

حضرت عمر رحمہ اللہ نے میمون بن مہران، مکحول اور ابو قلابہ کو بلایا اور ان سے کہا:

''تم ان مالوں اور جائیدادوں کے بارے میں کیا کہتے ہو، جو لوگوں سے ظلم سے چھینی گئی ہیں۔''

مکحول نے کہا:

''میرا مشورہ یہ ہے کہ آئندہ احتیاط کی جائے اور سابقہ مالوں کو یونہی رہنے دیا جائے۔''

حضرت عمر رحمہ اللہ نے میمون بن مہران کی طرف دیکھا۔ گویا آپ ان کی رائے بھی جاننا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے کہا:

''امیر المومنین! آپ اپنے صاحب زادے عبدالملک کو بلالیں۔''

عبدالملک اس وقت تک فقہ اور حدیث پڑھ چکے تھے اور ان کا شمار بڑے فقہاء میں ہونے لگا تھا۔ حضرت عمر رحمہ اللہ نے انھیں بلا بھیجا۔ وہ آگئے تو آپ نے ان سے بھی وہی سوال پوچھا اور ساتھ میں یہ بھی پوچھا۔

''ایسے لوگ میرے پاس اپنا حق مانگنے کے لیے آتے ہیں۔ اب اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ مال انھی کے ہیں۔''

عبدالملک نے جواب میں عرض کیا:

''میرے خیال میں آپ حق داروں کو ان کا حق واپس کر دیں۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو غاصبوں کے غصب میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے۔''

ایک دن کسی بات پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو شدید غصہ آ گیا۔ جب آپ کا غصہ دور ہو گیا تو عبدالملک نے کہا:

''امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ آپ کو اپنے بندوں پر امیر بنایا ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی یہی قدر ہے کہ آپ کو اتنا شدید غصہ آجائے جو اس وقت میں نے دیکھا ہے۔''

حضرت عمر نے یہ سن کر فرمایا:

''بیٹا! تم نے کیا کہا، ذرا پھر کہنا۔''

عبدالملک نے اپنے الفاظ دہرا دیے۔ اب حضرت عمر بولے:

''عبدالملک! کیا تمہیں غصہ نہیں آتا۔''

جواب میں عبدالملک بولے:

''امیر المومنین! میرا پیٹ کس دن کام آئے گا۔ اگر میں غصے کو اس میں نہ لوٹا دوں، یہاں تک کہ ذرا سا بھی غصہ ظاہر نہ ہونے دوں۔''

مطلب یہ تھا کہ میں تو غصہ اس طرح پی جاتا ہوں کہ کوئی محسوس تک نہیں کر سکتا کہ مجھے غصہ آیا ہے۔ آپ بھی ایسا ہی کیا کریں۔

حضرت عمر رحمہ اللہ کا یہ عظیم فرزند آخرت کی فکر میں دبلا ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ مرض الموت میں گرفتار ہو گیا۔ حضرت عمران کی عیادت کے لیے جاتے اور پوچھتے۔

''عبدالملک! کیا حال ہے؟''

عبدالملک اپنے والد سے اپنا حال چھپا لیتے کہ انھیں رنج نہ ہو اور کہتے۔''

''الحمد للہ! میں اچھا ہوں۔''

مریض کی حالت حضرت عمر سے چھپی نہیں تھی اس لیے آپ نے ان سے کہا:

''بیٹا! مجھ سے اپنی حالت ٹھیک ٹھیک بیان کرو۔''

اس پر عبدالملک نے کہا:

''میں اپنی موت کو قریب محسوس کرتا ہوں۔ لہٰذا آپ اجر کی غرض سے صبر کریں، کیونکہ آپ کے لیے اللہ کا ثواب مجھ سے بہتر ہے۔''

یہ سن کر حضرت کا دل ڈوبنے لگا۔ انھیں عبدالملک سے بہت زیادہ محبت تھی۔ حضرت عمران کے پاس سے چلے آئے اور نماز پڑھنے لگے۔ اتنے میں مزاحم نے آکر بتایا:

''امیر المومنین! عبدالملک وفات پا گئے۔''

حضرت عمر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

یوں تو حضرت عمر کی اولاد بہت تھی۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے، تین بیٹیاں تھیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ عالم اور فقیہی عبدالملک ہی تھے۔ باپ کو نصیحت کرنے میں بہت دلیر تھے۔ جب انھیں دفن کر دیا گیا تو آپ قبلہ اور قبر کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ باقی لوگ آپ کے چاروں طرف کھڑے تھے۔ اس وقت آپ نے کہا:

''بیٹا! تم پر اللہ اپنا رحم فرمائے...... تمہاری پیدائش سے خوشی ہوئی تھی...... تمہارا اٹھان نیکیوں سے بھرپور رہا...... مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ میں تمہیں آواز دوں اور تم میری آواز پر کہو، حاضر ہوں...... مجھے تمہاری ذرا سی تکلیف بھی گوارا نہیں تھی...... آج تمہیں اس جگہ رکھ کر میں بہت خوش ہوں، تمہارے بارے میں اللہ سے جو حصہ مجھے ملنے والا ہے، اس کی بہت زیادہ امید ہے...... اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے اور تمہارے نیک عملوں کو بہترین بدلہ عطا فرمائے...... اور تمہاری برائیاں مٹا دے...... اور تمہارے لیے دعا کرنے والے ہر شخص پر اللہ اپنا رحم فرمائے...... خواہ وہ آزاد ہو، یا غلام...... حاضر ہو یا غائب اور مرد ہو یا عورت، جس نے خلوص سے تمہارے لیے دعا کی، اللہ اسے اجر عطا فرمائے...... ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں اور اس کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں اور اللہ رب العالمین کا بہت بہت شکر ہے۔''

پھر حضرت عمر، عبدالملک کی قبر سے واپس لوٹے۔ سب لوگوں کو ان کی موت کا بہت صدمہ تھا۔ سب لوگ رہتی دنیا تک ان پر افسوس کرتے رہیں گے۔ ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جب آپ گھر آ گئے تو لوگ تعزیت کے لیے آنے لگے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''جو چیز عبدالملک پر اتری، اسے ہم جانتے تھے اور جب وہ واقع ہو گئی تو ہمارے لیے اجنبی اور انوکھی نہیں تھی۔'' (ابن الحکم:116)

عبدالملک کے فوت ہوتے ہی حضرت عمر ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے اپنے پہرے داروں تک کو یہ حکم دے دیا:

''اگر میں حق سے ادھر اُدھر ہٹوں تو تم مجھے روک دو، اگر میں غلط کروں تو میری رہنمائی کرو۔''

آپ نے اپنے حفاظتی دستے کے افسر عمر بن مہاجر کو یہ ہدایت کی:

''جب تم مجھے حق سے ہٹتے دیکھو تو میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر، مجھے ہلا کر کہو، عمر کیا کر رہے ہو۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز برابر حق پر چلتے رہے۔ اگر عمر بن مہاجر آپ کو حق سے ہٹتے دیکھتے تو یقیناً آپ کا گریبان پکڑ کر آپ کو جھنجھوڑتے، لیکن انھیں ایسا موقع نہ مل سکا۔

ملاقات کے لیے آنے والوں کو آپ کی ہدایات یہ تھیں:

میرے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں میں پانچ باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

O وہ میری صحیح راہ کی طرف رہنمائی کریں، اگر مجھے درست راستے پر نہ پائیں۔

O خیر کے کاموں میں میری مدد کریں۔

O مجھے ان لوگوں کے کاموں کی اطلاع دیتے رہیں جو اپنے کام مجھ تک

نہیں پہنچا سکتے۔

O میرے سامنے کسی کی چغلی نہ کھائی جائے۔

O لوگوں کی امانت ادا کرتے رہیں۔

ان میں یہ پانچ باتیں ہوں تو میرا دروازہ ان کے لیے کھلا ہے۔ ورنہ میری مجلس میں نہ بیٹھیں اور ملاقات کے لیے آنے کی کوشش نہ کریں۔

ان شرائط کی برکات بہت جلد سامنے آنے لگیں۔ خیر خواہ اور پارسا لوگ آپ کی مجلس میں جمع رہنے لگے۔

حضرت عمر کی مجلس میں بیٹھنے والوں میں عبید اللہ بن عتبہ بہت ہی مخلص تھے۔ آپ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے:

''اگر مجھے عبید اللہ کی ایک مجلس نصیب ہو جائے تو وہ مجھے دنیا و مافیہا سے پیاری ہے۔ اللہ کی قسم میں عبید اللہ کی ایک رات انہیں سرکاری خزانے سے ایک ہزار دینار دے کر خرید لوں گا۔''

لوگوں نے اس بات پر اعتراض کرتے ہوئے کہا:

''امیر المومنین! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جب کہ آپ سرکاری خزانے کے معاملے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے ہیں اور اس کی ضرورت سے زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''تم لوگوں کی عقلیں کہاں چلی گئیں، اللہ کی قسم میں ان کی رائے، خیر خواہی اور ہدایت سے سرکاری خزانے میں کروڑوں روپیہ جمع کردوں گا۔''

یہ عبید اللہ بن عتبہ بھی حضرت عمر کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔

حجاز سے ایک وفد آپ سے ملاقات کے لیے آیا۔ ان میں ایک بچہ بھی تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر کچھ کہنا چاہا۔ حضرت عمر نے اسے بچہ خیال کر کے فرمایا:

''کوئی بڑا شخص بات کرے۔''

یہ سن کر اس بچے نے کہا:

''امیر المومنین! انسان اپنے دو چھوٹے اعضاء ہی سے انسان ہے۔ یعنی دل اور زبان۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو بولنے والی زبان اور حفاظت کرنے والا دل عطا فرما دے تو گویا اللہ تعالیٰ نے اسے کلام کے لیے چن لیا اور وہ گفتگو کرنے کا حق دار ہے۔ اگر کاموں کا دارومدار عمر پر ہوتا تو یہاں آپ سے زیادہ عمر کے لوگ بھی موجود ہیں۔ پھر آپ کی نسبت وہ زیادہ حق دار ہیں۔''

اس کی بات سن کر آپ کو حیرت ہوئی۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''تم نے ٹھیک کہا، اچھا تم ہی بات کرو۔''

اس پر بچے نے کہا:

''امیر المومنین! ہم مبارک باد دینے کے لیے آئے ہیں...... انعام و اکرام کے لیے نہیں آئے...... نہ کسی چیز کے لالچ میں آئے ہیں نہ کسی خوف کے تحت آئے ہیں...... کیونکہ ہم آپ کے زمانے میں ان چیزوں سے بے خوف ہیں...... جن سے پہلے ہمیں ڈر لگا رہتا تھا۔''

پھر یہ بچہ بیٹھ گیا...... آپ نے اس کی عمر پوچھی تو پتا چلا، دس سال تھی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بھی آپ کے دوستوں میں سے تھے۔ وہ آپ کو پرخلوص نصیحتیں کرتے رہتے تھے۔

آپ کے دور میں حالت یہ ہوگئی تھی کہ کوئی شخص مال لے کر آتا اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے کے لیے ان کو تلاش کرتا تو اسے ضرورت مند ملتے ہی نہیں تھے۔ اسے اپنا مال واپس لے جانا پڑتا۔

آپ کی تڑپ یہ تھی کہ اسلام زمین کے کونے کونے تک پھیل جائے اور لوگ سیدھے راستے پر چلنے لگ جائیں۔ آپ عاملوں کو تاکیدی خطوط لکھتے۔ وہ ذمیّوں کو اسلام کی دعوت دیتے، عام طور پر ذمی مسلمان ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد ان سے جزیہ نہ لیا جاتا، اس طرح خزانے میں مال جمع نہ ہوتا۔ بیت المال کے نگران خزانہ خالی ہونے کی شکایت کرتے تو آپ فرماتے:

''لوگوں کا راہِ ہدایت پا جانا خزانہ بھرنے سے کہیں بہتر ہے۔''

آپ کے دور میں بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ دراصل اسلام کی برکات لوگوں کو صاف نظر آنے لگی تھیں۔ جب کوئی علاقہ فتح ہوتا تو فتح کرنے والے اس علاقے کے لوگوں سے اچھا سلوک کرتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہونے لگے۔ یہاں تک کہ 99 ہجری میں شاہِ ہند مسلمان ہو گیا۔ دریائے سندھ کے بہت سے ہندو حضرت عمر کی دعوت پر مسلمان ہو گئے۔ خراسان کے گورنر جراح بن عبداللہ حکمی نے اسلام کی تبلیغ میں بہت دوڑ دھوپ کی، بہت خلوص سے کام لیا اور تقریباً چار ہزار غیر مسلموں کو مسلمان بنایا۔ آپ نے انھیں لکھا:

''جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔''

اس پر لوگ اور زیادہ اسلام قبول کرنے لگے۔ آپ نے روم کے بادشاہ لاؤن کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

آپ نے نہ صرف یہ کہ جزیہ معاف کر دیا، بلکہ ذمیوں کی زمینیں بھی ان کے قبضے میں رہنے دیں۔ ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ آپ کے کارناموں کی دھوم تمام دنیا میں پھیل گئی۔

آپ پر موت کا خوف چھایا ہوا تھا۔ یہ خوف بچپن ہی سے آپ پر مسلط تھا۔ کم سنی میں جب آپ کو موت کا خیال آتا تو آپ رونے لگتے تھے۔ ایک دن آپ کی والدہ کو معلوم ہوا کہ آپ رو رہے ہیں، رونے کی بظاہر کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ اس وقت آپ قرآن پاک کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ قرآن ہر سینے کو غم سے نجات دیتا ہے۔ آپ کی والدہ نے رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے کہا:

''مجھے موت یاد آ گئی تھی۔''

یہ سن کر آپ کی والدہ اور زیادہ رونے لگیں۔

جوں جوں آپ کی عمر بڑھ رہی تھی، موت کا خوف زیادہ ہو رہا تھا، حالانکہ نوجوانوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات نہیں ہوتے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ عبدالملک، ولید اور سلیمان آپ کے سامنے فوت ہوئے تھے۔ آپ نے ولید کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا تھا۔ ان کے ناز و نعم میں پلے جسموں کو قبر میں دفن ہوتے دیکھا تھا۔ اس لیے آپ تنہائی میں گھٹ گھٹ کے رویا کرتے تھے۔ آپ کی آہوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آپ فرمایا کرتے

تھے:

''کیا ان تینوں خلفاء کے بعد اب میری باری ہے۔''

آپ کے بھائی سہیل آپ کے سامنے فوت ہوئے تھے۔ آپ کے غلام مزاحم آپ کے سامنے فوت ہوئے۔ آپ کے فرزند عبدالملک آپ کے سامنے فوت ہوئے۔ ان تمام اموات نے آپ میں موت کی یاد بھر دی تھی۔ موت کے بارے میں آپ کے ایمان میں اضافہ کر دیا تھا۔ آپ کو موت سے ایک قسم کا انس پیدا ہو گیا تھا اور آپ ہر وقت موت کا انتظار کرنے لگے تھے۔ موت کے بعد حساب کتاب کا خوف آپ پر سوار رہنے لگا تھا۔ اس طرح موت ان کے اندر کوچ کا نقارہ بجاتی رہتی تھی۔ آپ کے زمانے میں آپ کی طرح موت سے ڈرنے والے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بھی تھے۔ یزید بن حوشب فرماتے ہیں:

''میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ سے زیادہ موت سے ڈرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ یوں لگتا تھا، گویا آگ انھی دونوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔''

آپ نے دنیا کی محبت دل سے نکال پھینکی تھی، اس لیے آپ کا نفس آپ کا فرماں بردار بن گیا تھا۔

ایک روز آپ میمون بن مہران کے ساتھ قبرستان گئے اور قبروں کو دیکھ کر رونے لگے۔ پھر میمون سے فرمایا:

''ابو ایوب! یہ میرے خاندان کے بزرگوں کی قبریں ہیں، گویا انھوں نے دنیا میں عیش و آرام کیا ہی نہیں تھا۔ ان پر بوسیدگی نے اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں۔ سوتے سوتے ان کے جسموں میں کیڑے تیر گئے ہیں۔''

پھر آپ دیر تک روتے رہے۔ آخر ان سے بولے:

''آؤ چلیں! میرے خیال میں ان سے بڑھ کر کسی کو آرام و راحت نصیب نہیں جو قبروں میں اتر کر اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔''

ایک دن رقاشی آپ سے ملاقات کے لیے آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''رقاشی! کوئی نصیحت کرو۔''

انھوں نے کہا:

''امیر المومنین! جنت اور جہنم کے درمیان کوئی گھر نہیں ہے۔''

آپ کی زوجہ فاطمہ سے آپ کی عبادت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا:

''اللہ کی قسم! آپ بہت زیادہ عبادت کرنے والے نہیں تھے، لیکن موت کو کثرت سے یاد کرتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ جب آپ کو بستر پر اللہ تعالیٰ کا خیال آجاتا تو خوف کے مارے تڑپنے لگتے۔ یہاں تک کہ ہمیں محسوس ہونے لگتا، آپ صبح تک فوت ہو جائیں گے۔''

ایک روز اپنے بارے میں فرمایا:

''میں بہت شوقین مزاج تھا۔ جب کبھی کسی چیز کو دیکھ لیتا تو اس سے بہتر کے لیے خواہش کرتا۔ جب میں مدینہ منورہ میں بچوں کے ساتھ ایک بچہ تھا تو مجھے عربی علم و ادب کا شوق ہوا اور میں نے اپنی ضرورت کے لیے علم و ادب سیکھ لیا۔ پھر مجھے فاطمہ بنتِ عبدالملک سے نکاح کا شوق ہوا۔ اللہ نے میرا ان سے نکاح کرا دیا۔ پھر مجھے امارت کا شوق ہوا اور میں مدینہ منورہ کا امیر بنا دیا گیا۔ پھر میری طبیعت نے خلافت چاہی اور میں نے خلافت

پالی۔ پھر جب خلافت سے اوپر دنیا میں کوئی عزت کی چیز نہ رہی تو مجھے آخرت میں اللہ کی نعمتوں کا شوق ہو گیا۔ (ابن جوزی:66)

اور آخر، آپ کی اصلاحات آپ کے مخالفین سے برداشت نہ ہو سکیں۔ انھوں نے آپ کو زہر دے کر ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ کام عبدالملک کے بیٹے یزید نے آپ کے خادم کے ذریعے لیا۔ زہر کا اثر محسوس کرنے پر آپ نے خادم کو بلایا اور اس سے پوچھا:

''کیا تم نے مجھے زہر دیا ہے۔''

اس نے کہا:

''ہاں! میں انگوٹھے کے پورے پر زہر لگا کر لایا تھا اور اسے پانی میں ملا دیا تھا۔ پھر میں نے وہ پانی آپ کو پلا دیا۔''

آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ سے کہا گیا:

''آپ زہر کا علاج کرا لیں۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ صرف کان کو چھو لینے سے زہر کا اثر دور ہو جائے گا تو بھی میں کان کو نہ چھوتا۔ میرا رب کیا ہی اچھا ہے جس کے پاس میں جا رہا ہوں۔''

آپ نے عبداللہ بن زکریا کو بلوایا۔ یہ شام کے اولیاء میں سے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

''جانتے ہیں، میں نے آپ کو کیوں بلوایا ہے؟''

انھوں نے کہا:

''جی نہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''میں نے آپ کو ایک کام کے لیے بلوایا ہے، لیکن بتاؤں گا بعد میں، پہلے آپ قسم کھائیں کہ انکار نہیں کریں گے۔''

انھوں نے قسم کھالی۔ اب آپ نے ان سے کہا:

''اللہ سے دعا کریں، اللہ مجھے اپنے پاس بلا لے۔''

یہ سن کر عبداللہ گھبرائے اور بولے:

''تب تو میں مسلمانوں کے لیے آپ کے پاس بدترین آنے والا ہوں اور امتِ محمدیہ کا دشمن ہوں۔''

اس پر حضرت عمر بولے:

''آپ نے قسم کھائی ہے۔''

آخر عبداللہ بن زکریا کو دعا مانگنا پڑی، لیکن دعا مانگتے ہوئے ہچکچائے اور بادلِ نخواستہ یوں دعا مانگی:

''اے اللہ! آپ کے بعد مجھے بھی زندہ نہ رکھ۔''

عبداللہ ابھی دعا مانگ رہے تھے کہ ایک چھوٹا بچہ آ گیا۔ آپ نے فرمایا:

''اس بچے کے لیے بھی دعا کریں، کیونکہ اسے مجھ سے بہت محبت ہے۔''

عبداللہ نے اس بچے کے لیے بھی دعا مانگی۔ اس طرح آپ کی وفات کے بعد عبداللہ بھی فوت ہوگئے اور ان کے بعد وہ بچہ بھی فوت ہوگیا۔

حضرت عمر رحمہ اللہ کو جب اپنی موت کا یقین ہو گیا تو آپ نے بالوں کا ایک کرتہ پہن لیا۔ وہ گھٹنوں تک پہنچتا تھا۔ اس کی آستین کہنیوں تک تھی۔ وہ اس قدر گرم تھا کہ آپ کے جسم سے پسینہ بہنے لگا۔ لوگوں نے کہا:

''آپ کیوں تکلیف اٹھا رہے ہیں، اسے اتار دیں۔''

آپ نے اسے نہ اتارا، پسینہ بہتا رہا۔ اس کرتے میں جذب ہوتا رہا، لیکن آپ نے اس کرتے کو نہ اتارا۔

پھر آپ کی بیماری زور پکڑ گئی۔ آپ اس وقت دیر سمعان میں تھے۔ دیر سمعان کے جس حصے میں آپ ٹھہرے ہوئے تھے، اس کا نام بقرہ تھا۔ وہاں کے گرجے کا ایک پادری آپ کے لیے گرجا کے درختوں کے نئے پھل لایا۔ آپ نے وہ پھل خوشی سے قبول کر لیے اور ان کی قیمت پادری کو دینے کا حکم فرمایا۔ پادری نے قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ آپ برابر اسے سمجھاتے رہے۔ آخر اس نے قیمت لے لی۔ پھر آپ نے اس پادری سے کہا:

''میں اس بیماری سے بچوں گا نہیں۔''

یہ سن کر پادری رونے لگا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''تم اس گرجے کی زمین کے مالک ہو، تم ایک سال کے لیے قبر کے لیے جگہ بیچ دو جب ایک سال گزر جائے تو تم ہل چلا سکتے ہو اور اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔''

غرض ایک قبر کی جگہ کا سودا ہو گیا۔ جب لوگوں کو آپ کی شدید بیماری کا پتا چلا تو آپ کی عیادت کے لیے آنے لگے۔

عیادت کرنے والوں میں آپ کے سالے مسلمہ بن عبدالملک بھی آئے۔ وہ بڑے

مجاہد سپہ سالار تھے۔ اس وقت آپ بے ہوش تھے۔ دیکھنے والوں کا اندازہ بھی تھا کہ بچیں گے نہیں۔ اس وقت آپ کھجوروں کے پتوں سے بنے گدے پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا اور آپ کے اوپر ایک چادر تھی۔ ہونٹ خشک تھے، رنگ بدلا ہوا تھا۔ ایسے میں آپ کو ہوش آ گیا۔ آپ کی نظر مسلمہ پر پڑی تو فرمایا:

''میری موت کے وقت موجود رہنا اور تم ہی مجھے غسل دینا اور میرے جنازے کے ساتھ قبر تک جانا۔ اپنے ہاتھوں سے مجھے قبر میں اتارنا۔''

اس وقت مسلمہ نے موقع غنیمت جان کر کہا:

''امیر المومنین! آپ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، لیکن آپ نے اپنی اولاد کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ان کے لیے حکم فرما دیں، تا کہ انھیں بیت المال سے وہ مال ادا کر دیا جائے۔''

یہ سن کر آپ خاموش رہے۔ مسلمہ نے پھر کہا:

''کیا آپ وصیت نہیں فرمائیں گے۔''

آپ نے فرمایا:

''کس چیز کی وصیت کروں۔ اللہ کی قسم! میرے پاس مال نہیں ہے۔''

اس پر مسلمہ نے کہا:

''یہ لیجیے! ایک لاکھ دینار۔ آپ ان کو جس طرح چاہیں، خرچ کر سکتے ہیں۔''

اب حضرت عمر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مسلمہ! میری بات مانو گے۔''

مسلمہ بولے: ''جی ہاں! فرمایئے!''

آپ نے فرمایا: ''یہ انھیں واپس کر دو۔ جن سے یہ لیے گئے ہیں۔''

یہ کہتے ہی آپ بے ہوش ہو گئے۔ مسلمہ رو کر کر کہنے لگے:

''امیر المومنین! واقعی آپ نے ہم سنگ دلوں کو نرم بنا دیا۔''

حضرت عمر نے اپنی اولاد کو مال کا وارث نہ بنایا۔ آپ کا خیال تھا کہ نیک اولاد کو وراثت میں ملنے والے مال کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ وراثت تو نیک اولاد کو بگاڑ دیتی ہے۔

آپ کو ہوش آیا تو فرمایا:

''مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو۔''

جب آپ کو بٹھا دیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''کیا تم مجھے فقیری سے ڈراتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ اپنے بچوں کو محروم کر دیا ہے۔ میں نے انھیں ان کے واجبی حق سے محروم نہیں رکھا۔ رہا تمہارا یہ مطالبہ کہ میں انھیں بیت المال سے دینے کی وصیت کر جاؤں تو دیکھو۔ میرا کارساز اللہ ہے۔ اس نے آسمان سے کتاب اتاری۔ وہی نیک لوگوں کا دوست ہے۔ دیکھو! میری اولاد دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ پرہیز گار ہے۔ اس صورت میں اللہ غیب سے اسے رزق عطا فرمائے گا یا وہ گناہ گار ہے تو میری جرأت نہیں کہ گناہ پر اس کی مدد کروں۔''

آپ کی شدید بیماری کی خبر سن کر بے شمار لوگ بیمار پرسی کے لیے آنے لگے۔ آپ کی اولاد بھی فوراً دیر سمعان پہنچ گئی۔ آپ کے ہاں چودہ بچے پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے گیارہ

باقی رہ گئے تھے اور وہ سب کے سب اس وقت ان کے پاس موجود تھے۔ آپ نے ان سب کو نزدیک بلایا۔ انھیں دیکھا، پھر فرمانے لگے:

''ان جوانوں پر میری جان قربان ہو۔ میں انھیں بلا مال کے چھوڑے جا رہا ہوں۔ میرے بچو تمہارا باپ دو حال سے خالی نہیں یا تو تم مال دار بن جاؤ اور تمہارا باپ جہنم میں جائے یا محتاج بن جاؤ اور تمہارا باپ جنت میں جائے۔ تمہارا فقیر ہونا اور تمہارے باپ کا جنت میں جانا بہت اچھی بات ہے۔ جاؤ! تمہیں اللہ تعالیٰ روزی پہنچائے گا۔''

رجاء بن حیوۃ آپ کے پاس آئے اور بولے:

''امیر المومنین! یزید بن عبدالملک کو وصیت لکھ دیجیے اور انھیں اللہ کا خوف یاد دلائیے۔''

آپ نے یزید بن عبدالملک کے لیے یہ وصیت لکھی:

''یزید! جو لوگ تمہیں پسند نہ کریں، ان کا بھی خیال رکھنا۔''

جس وقت حضرت عمر رحمہ اللہ یہ وصیت لکھوا رہے تھے، تمام وادی سے رونے اور سسکیاں لینے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہو گی۔ حالت اور بگڑ گئی اور آپ کے پاس صرف آپ کی زوجہ فاطمہ، ان کے بھائی مسلمہ اور آپ کے خادم مرشد ہی رہ گئے۔ ہوش میں آئے تو پھر آپ رات بھر بیدار رہے۔ فاطمہ مسلمہ اور مرشد بھی ساتھ جاگتے رہے۔ پھر صبح ہو گئی تو فاطمہ نے مرشد سے کہا:

''مرشد تم امیر المومنین کے پاس رہنا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے بھائی مسلمہ کے ساتھ چلی گئیں۔ یہ لوگ رات بھر کے جاگے ہوئے

تھے۔ نیند نے آلیا۔ دن چڑھے ان کی آنکھ کھلی۔ امیر المومنین کے کمرے کی طرف آئے تو مرشد کو دروازے پر سویا ہوا پایا۔ انھوں نے اسے جگایا، فاطمہ نے اس سے کہا:

''مرشد! تم باہر کیوں آ گئے؟''

مرشد بولا:

''امیر المومنین نے ہی باہر بھیج دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا، مرشد میرے پاس سے ہٹ جا۔ اللہ کی قسم! مجھے ایک مخلوق نظر آ رہی ہے۔ اس کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ وہ انسان ہیں، نہ جن۔

یہ سن کر میں باہر نکل آیا۔ نکلتے وقت میں نے سنا، آپ فرما رہے تھے۔

'یہ آخرت کا گھر ہے، ہم اسے انھیں دیں گے جو دنیا میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے اور اچھا انجام پارساؤں کا ہے۔''

یہ سن کر حضرت فاطمہ اندر کی طرف دوڑ پڑیں۔

آپ نے دیکھا، حضرت عمر رحمہ اللہ کی آنکھیں بند تھیں اور آپ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے جمعے کے روز چالیس سال کی عمر میں 24 یا 25 رجب 101 ہجری میں وفات پائی۔

آپ اپنی عمر کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے:

''اللہ کی محبت چالیس سالہ شخص کے لیے مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد گناہ کرنے کے لیے انسان کے پاس کوئی قابلِ قبول عذر نہیں رہ جاتا۔''

آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے بعد بننے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک نے پڑھائی۔ انھیں پر زہر دینے کا الزام تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت عمر رحمہ اللہ کے خادم کے ذریعے آپ کو زہر دلوایا تھا اور وہ اپنے انگوٹھے کے ناخن پر زہر لگا کر لایا تھا۔ جب آپ نے اس سے پانی مانگا تو اس نے اپنا انگوٹھا پانی میں ڈال کر آپ کو وہ پانی پلایا اور آپ ایسے بیمار پڑے کہ پھر اٹھ نہ سکے۔ (العقد الفرید)

مورخوں نے لکھا ہے کہ اگر زہر آپ پر اثر نہ کرتا، تب بھی اللہ کا خوف آپ کو جینے نہ دیتا، کیونکہ آپ کی بیماری کی جڑ خوف تھی۔ خوف کی کثرت زہر سے بھی زیادہ طاقت ور ہوتی ہے۔

آپ نے دو سال اور چند ماہ خلافت کی۔ اس مختصر سی مدت کو سبھی لوگ بہت بڑی مدت شمار کرتے ہیں، کیونکہ اس مبارک زمانے میں خیر و برکت اس قدر رہی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ لوگوں کو انصاف ملا۔ ان سے چھینے گئے مال انھیں واپس ملے۔ ہر طرف برکات ہی برکات نظر آنے لگیں۔

آپ کو گرجے میں اس جگہ دفن کیا گیا جو آپ نے خریدی تھی۔ مسلمہ بن عبدالملک نے آپ کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''اللہ کی قسم! آپ کی طبیعت میں نرمی رہی۔ حتیٰ کہ آپ نے قبر دیکھ لی۔''

پھر آپ کو دفن ہوئے ایک سال گزر گیا۔ اس پادری کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ آپ کی قبر برابر کردے۔ اس زمین سے فائدے اٹھائے، لیکن اس نے آپ کی قبر کو نہیں اکھاڑا۔ اس زمین سے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ اسے یونہی رہنے دیا، بلکہ اس کی حفاظت کرتا رہا، تاکہ لوگ

آپ کی قبر پر آ کر آپ کی مغفرت کی دعا کرتے رہیں۔

اس زمانے کے ایک بزرگ ہشام بن غاز فرماتے ہیں:

''وابق سے واپس آتے وقت ہم ایک منزل پر ٹھہرے۔ جب ہم وہاں سے واپس روانہ ہوئے تو ہمارے ایک ساتھی مکحول ہمیں کچھ بتائے بغیر کہیں چلے گئے۔ جب ہم بہت دور پہنچ گئے، تب ہم نے انھیں آتے دیکھا۔ ہم نے ان سے پوچھا تو وہ بولے:

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی قبر پر گیا تھا۔ میں آپ کے لیے دعا کر کے آیا ہوں اور میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ آپ اپنے دور کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اور آپ سے زیادہ کوئی پارسا نہیں تھا۔''

حضرت عمر رحمہ اللہ کی قبر گرجا کی زمین میں ایک طویل مدت تک باقی رہی۔ باقی تمام مشہور لوگوں کی قبروں میں صرف اس قبر کا احترام کیا جاتا رہا۔ لوگ آ کر دعائیں کرتے رہے۔ دوسری قبروں کی طرف وہ جاتے بھی نہیں تھے۔ یہاں تک کہ جب بنوامیہ کا دور ختم ہوا اور عباسی دور شروع ہوا تو عباسی خلفاء نے بنوامیہ کی قبروں کو اکھاڑا۔ ان میں سے نعشیں نکال کر ان کی بے حرمتی کی، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی قبر کو کسی نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ آپ کی قبر جوں کی توں برقرار رہی۔ لوگ اس کا اسی طرح احترام کرتے رہے، پاس سے گزرنے والے قبر کی زیارت کرتے رہے۔ آپ کے لیے دعا کرتے رہے۔

پھر مشرق پر تباہی آئی۔ اس تباہی میں یہ گرجا بھی مٹ گیا۔ قبر کا نشان بھی مٹ گیا۔ نشان ضرور مٹ گیا مگر آپ کی ہڈیاں وہیں محفوظ رہیں۔ انھیں کسی نے نہ اکھاڑا اور جس طرح آپ کی ہڈیاں محفوظ رہیں۔ اسی طرح آج تک آپ کا نام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

کوفے میں ایک رات ایک عورت اپنے بالا خانے میں اپنی بیٹی کے ساتھ چرخہ کات رہی تھی۔ بالا خانے میں نیچے کی طرف ایک طاق تھا۔ اس عورت کی بیٹی کے ہاتھ سے روئی نیچے گر گئی۔ اس نے نیچے دیکھا تو بہت سی عورتوں کا ہجوم نظر آیا۔ وہ رو رہی تھیں۔ ان کے درمیان ایک عورت کھڑی یہ شعر پڑھ رہی تھی:

''ہاں! جنات کی عورتوں سے کہو، اب وہ غم کی زیادتی سے رویا کریں۔ ریشمی لباس میں ناز و ادا سے چلنے کی بجائے ٹاٹ پہنا کریں۔''

جب وہ یہ شعر کہہ چکی تو باقی عورتیں پکاریں۔

''امیر المومنین! امیر المومنین۔''

لڑکی یہ منظر دیکھ کر ڈر گئی۔ اس نے اپنی ماں سے کہا:

''اماں! دیکھو تو نیچے کیا ہے۔''

ماں نے نیچے کا منظر دیکھا اور حیرت زدہ رہ گئی کہ یہ یہاں رات کے وقت اتنی عورتیں کہاں سے آ گئیں۔

بعد میں معلوم ہوا کہ اسی رات امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تھا۔ (وہ عورتیں مسلمان جنات کی عورتیں تھیں)

خلیفہ بننے کے بعد سے وفات تک نہ آپ نے کوئی نئی سواری خریدی، نہ کسی عورت سے نکاح کیا، نہ نئی باندی رکھی، خلافت سے وفات تک آپ کو کھل کر ہنستے نہیں دیکھا گیا۔

اللہ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔ آمین۔

اُحد کا معرکہ

بدر کی لڑائی میں بدترین شکست کھانے کے بعد قریش بدلہ لینے پر تل گئے تھے، انہوں نے زور شور سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مدینہ منورہ کے یہودی اور منافق بھی انہیں جنگ پر ابھارنے لگے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ کے باپ اور بھائی بدر کے میدان میں قتل ہو گئے تھے۔ اس نے قریش کو غیرت دلانے کا کام بہت تیز کر دیا۔ اس وقت ابوسفیان قریش کے سردار بن چکے تھے، کیونکہ باقی بڑے تو بدر کی لڑائی میں مارے گئے تھے، انہوں نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، بدر کے موقعے پر یہ جو سامانِ تجارت شام سے لائے تھے، اس میں 50 ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ منافع ہوا تھا، یہ سب اس جنگ کی تیاری میں لگا دیا گیا۔ عرب کے تمام قبیلوں کی طرف لوگوں کو بھیجا گیا تاکہ وہ قریش کی مدد کریں، چنانچہ بہت سے قبیلے قریش کی مدد کے لیے تیار ہو گئے۔ بنو کنانہ اور تہامہ بھی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مکہ کے حبشی غلاموں کو بھی فوج میں شامل کر لیا گیا۔ اشعار پڑھ پڑھ کر مردوں کو جوش دلانے والی شاعر عورتوں کو بھی ساتھ شامل کیا گیا۔ غرض پورا سال جنگ کی تیاریاں کی گئیں۔

اس طرح تین ہزار جنگ جوؤں کا لشکر شوال 3 ہجری کی ابتدائی تاریخوں میں روانہ

ہوا۔ جن عورتوں کے خاوند بدر میں مارے گئے تھے یا دوسرے عزیز مارے گئے، وہ بھی ساتھ روانہ ہوئیں تاکہ اپنے عزیزوں کے قاتلوں کو قتل ہوتے دیکھیں۔ ان عورتوں کی سردار حضرت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ تھی۔ اس لشکر میں جبیر بن مطعم کے حبشی غلام وحشی بھی شامل تھے۔ یہ نیزہ پھینکنے کے بہت ماہر تھے۔ ان کا نشانہ بہت کم خطا کرتا تھا۔ جبیر بن مطعم نے ان سے کہا تھا:

''اگر تو نے حمزہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) کو قتل کر دیا تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا، حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر میں عتبہ کو قتل کیا تھا۔ ہند نے بھی وحشی سے کہا:

''اگر تم نے حمزہ کو قتل کر دیا تو میں اپنا سارا زیور اتار کر تمہیں دے دوں گی۔''

اس طرح کفار کا یہ لشکر مکہ معظّمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لشکر کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے فوراً صحابہ کرام کو مشورے کے لیے طلب فرما لیا۔ عبداللہ بن ابی منافق بھی اس مشورے میں شامل تھا۔ اسے مسلمان سمجھا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ ہی میں رہ کر اس لشکر کا مقابلہ کیا جائے... اور آپ کی یہ رائے اس لیے تھی کہ آپ نے خواب میں دیکھا تھا کہ تلوار کی تھوڑی سی دھار گر گئی ہے۔ اس سے آپ کو اندیشہ تھا کہ شاید اس جنگ میں مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچے۔ عبداللہ بن ابی منافق کی رائے بھی یہی تھی، لیکن صحابہ میں سے اکثر کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے تاکہ دشمن ہمیں کمزور خیال نہ کرے۔ بڑی عمر کے صحابہ کی ضرور یہ رائے تھی کہ مدینہ منورہ میں ٹھہر کر مقابلہ کیا جائے مگر نوجوانوں نے اس مشورے کو پسند نہ کیا۔

یہ مشورہ 14 شوال کو ہوا۔ اس روز جمعہ تھا۔ اس مشورے کے بعد آپ نے نماز جمعہ ادا کی اور گھر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر ہتھیار لگا کر باہر تشریف لائے۔ اب ان لوگوں کو خیال آیا کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے اتفاق نہیں کیا... کہیں کوئی مصیبت نہ آ پڑے، چنانچہ انہوں نے آپ سے عرض کیا:

''اگر آپ یہ پسند فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے تو ایسا ہی کیجیے... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اب آپ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ شہر سے نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ اس لیے کہ زیادہ لوگوں کا مشورہ یہی تھا، دوسرے آپ ان نوجوانوں کے جذبات سے بھی باخبر تھے جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھانا چاہتے تھے، چنانچہ آپ نماز جمعہ کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ میں آپ نے اپنے صحابی ابن ام مکتوم کو چھوڑا تا کہ مدینہ منورہ کا انتظام سنبھالیں اور لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ کے ساتھ ایک ہزار کا لشکر تھا۔

آپ نے ابھی ڈیڑھ دو میل ہی طے کیے ہوں گے کہ عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ بہانہ اس نے یہ بنایا کہ آپ نے اس کا مشورہ نہیں مانا۔

ان تین سو منافقوں کے واپس لوٹ جانے کے بعد مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی... جب کہ ان کے مقابلے میں تین ہزار کا لشکر تھا۔

اس وقت لشکر میں چھوٹی عمر کے لڑکے بھی شامل تھے۔ آپ نے انہیں واپس لوٹا دیا۔

ابھی دن کا کچھ حصہ باقی تھا کہ آپ احد پہاڑ کے دامن تک پہنچ گئے۔

آپ نے دیکھا، کفار پہلے ہی خیمہ زن ہو چکے ہیں، چونکہ شام ہو چکی تھی، دونوں لشکر اس وقت لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ جنگ دوسرے دن پر ٹل گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کی پشت پر پہاڑ کو رکھ کر پڑاؤ ڈالا۔ رات خاموشی سے گزر گئی۔

دوسرے دن 15 شوال 3 ہجری کو دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ میدان جنگ کا جائزہ لینے پر آپ کو اپنی پشت پر ایک پہاڑی درّہ نظر آیا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن جبیر انصاری رضی اللہ عنہ کی کمان میں پچاس سوار دے کر فرمایا:

''تم اس درّے پر جا کھڑے ہو، خواہ حالات کچھ ہوں، تم لوگ اس درّے سے نہ ہٹنا جب تک کہ تمہیں دوسرا حکم نہ دیا جائے۔''

یہ دستہ تیر اندازوں کا تھا۔ اس درّے پر آپ نے انہیں اس لیے مقرر کیا تھا کہ دشمن اسلامی لشکر کی کمر کی طرف سے حملہ نہ کر سکے۔

لشکر کو ترتیب دیتے ہوئے آپ نے میمنہ پر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، میسرہ پر حضرت منذر بن عمروؓ کو مامور فرمایا اور حضرت حمزہ کو مقدمتہ الجیش پر مقرر فرمایا۔ یہ جنگ کی اصلاحات ہیں۔ مطلب یہ کہ لشکر کے دائیں حصے، بائیں حصے اور درمیانی حصے پر ان تین سالاروں کو مقرر فرمایا۔ لشکر کا علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا۔ آپ نے اپنی تلوار حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو دی۔ وہ اس تلوار کو لیے نہایت مسرت کے عالم میں اکڑ کر چلے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''اس طرح کی چال اگرچہ اللہ کو ناپسند ہے، لیکن کفار کے مقابلے میں میدان جنگ

میں اس طرح چلنا جائز ہے۔“

دوسری طرف قریش نے اپنی صفوں کو درست کیا۔ انہوں نے سو سواروں کی کان خالد بن ولید کو سونپی اور انہیں میسرہ پر مقرر کیا۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ابو سفیان نے جھنڈا بنی عبدالدار کو دیا۔ ان کے پاس اس جھنڈے کی ذمہ داری مدت سے چلی آ رہی تھی، لیکن بدر میں شکست کے بعد ابوسفیان نے اب اس شرط پر یہ جھنڈا انہیں دیا کہ بہادری کے جوہر دکھائیں گے۔ عبدالدار نے وعدہ کیا۔ یہ دو سو نوجوان تھے۔ قریش کے لشکر میں دو سو خاص گھوڑے بھی تھے جنہیں ضرورت کے وقت کے لیے الگ رکھا گیا تھا۔

کفار کے لشکر میں تیر انداز دستے کا سردار عبداللہ بن ربیعہ تھا۔

مسلمانوں کی فوج میں 15 سال کی عمر کے لڑکے بھی شامل تھے۔ گھوڑے صرف دو تھے۔ غرض کافروں کے مقابلے میں مسلمان بے سروسامان تھے۔ تعداد میں بھی چوتھائی تھے۔

جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر راہب کفار کی صفوں سے نکل کر میدان میں آیا۔ یہ شخص مدینہ منورہ کا باشندہ تھا۔ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا تھا، اپنی قوم کا بڑا سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کا پکا دشمن تھا، مدینہ منورہ میں اسلام کا آغاز ہوا اور پھر اسلام تیزی سے پھیلنے لگا تو اسی تیزی سے اس کے اندر اسلام دشمنی کی آگ بھڑکنے لگی۔ یہاں تک کہ اس سے مدینہ منورہ میں رہنا مشکل ہو گیا، وہاں سے مکہ معظمہ چلا گیا۔ اب وہ کفار کے ساتھ ان کے لشکر میں شامل ہو کر آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ قبیلہ اوس کے لوگوں کو اپنی طرف بلا لے گا۔ آگے آ کر اس نے اوس کے لوگوں کو آوازیں دیں۔ اوس کے جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور اس

وقت اسلامی لشکر میں شامل تھے، بھلا وہ کہاں اس کی باتوں میں آنے والے تھے، انہوں نے اسے دھتکار دیا۔ وہ شرمندہ ہوکر پیچھے ہٹ گیا۔

اس کے بعد کفار کی صفوں سے اونٹ پر سوار ایک جنگ جو نکلا۔ اس نے مبارزت طلب کی، یعنی مسلمانوں میں سے کسی کو مقابلے میں آنے کے لیے للکارا۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ میدان میں آئے۔ یہ پیدل تھے تو دشمن اونٹ پر سوار، اس کے نزدیک آتے ہی زور سے اچھلے اور اس کے برابر پہنچ کر اسے گردن سے پکڑ لیا۔ اب دونوں میں اونٹ کے اوپر ہی لڑائی ہونے لگی۔ ان کی زور آزمائی دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان میں سے جو بھی پہلے زمین کو چھوئے گا قتل ہو جائے گا۔''

کچھ دیر تک دونوں میں زبردست قسم کی زور آزمائی جاری رہی، پھر اچانک مشرک اونٹ سے نیچے آ گرا، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے فوراً اس پر چھلانگ لگائی اور اپنی تلوار سے اسے ذبح کر دیا۔ اس لمحے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر فرمایا:

''ہر نبی کا ایک حواری (دوست) ہوتا ہے، میرے حواری زبیر ہیں۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی کامیابی پر مسلمانوں میں بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

''اگر اس مشرک کے مقابلے کے لیے زبیر نہ نکلتے تو میں نکلتا۔''

بات دراصل یہ تھی کہ مسلمان اس کے مقابلے میں آنے سے ہچکچا رہے تھے، لیکن پھر حضرت زبیر آگے بڑھ گئے۔ اس لیے آپ نے یہ بات فرمائی۔

اس کے بعد مشرکوں کی صفوں سے ایک اور شخص نکلا۔ یہ طلحہ بن ابوطلحہ تھا۔ اس کے باپ ابوطلحہ کا نام عبداللہ بن عثمان ابن عبدالدار تھا۔ اسی کے ہاتھ میں مشرکوں کا پرچم تھا۔ یہ آگے آ کر للکارا:

''کون ہے جو میرے مقابلے پر آتا ہے۔''

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر سے نکل کر اس کے مقابلے پر آ گئے۔ دونوں میں تلوار چلنے لگی۔ ابھی تلوار کے دونوں طرف سے چند وار ہی ہوئے تھے، دونوں تلواریں ٹکرائی ہی تھیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تلوار والا ہاتھ بلند ہوا اور اس کے سر پر پڑا، وہ فوراً ڈھیر ہو گیا۔

طلحہ کے قتل کے بعد مشرکوں کا پرچم اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے لے لیا۔ ادھر اس نے پرچم اٹھایا، ادھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر اس پر حملہ آور ہوئے، انہوں نے اس کے کندھے پر وار کیا۔ اس کا بازو کٹ گیا۔ اور حضرت حمزہ کی تلوار اس کی ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ گئی۔ اب مشرکوں میں سے پرچم ان دونوں کے بھائی ابوسعید بن ابوطلحہ نے اٹھایا۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا۔ تیر اس کے سینے میں لگا اور وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد طلحہ بن ابی طلحہ، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، کے بیٹے نے پرچم اٹھا لیا۔ اس پر حضرت عاصم بن ثابت بن ابوالافلح رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا، وہ بھی قتل ہو گیا۔ اس کا نام مسافع تھا۔ اس کے بعد مسافع کے بھائی حرث نے پرچم سنبھالا۔ حضرت عاصم ہی نے اس پر بھی تیر چلایا اور وہ بھی قتل ہو گیا۔ ان دونوں کی ماں بھی کفار کے لشکر میں موجود تھی۔ اس کا نام سلافہ تھا۔ اس کے یہ دونوں بیٹے اس کی گود میں

مرے، کیونکہ یہ تیر کھا کر پلٹے تھے اور اپنی ماں کی گود میں سر رکھ دیے تھے۔ جب پہلا بیٹا زخم کھا کر آیا تو سلافہ نے کہا:

''بیٹا! تمہیں کس نے زخمی کیا۔''

بیٹے نے جواب دیا:

''میں نے اس کی آواز سنی تھی۔ اس نے مجھ پر تیر چلانے کے ساتھ ہی کہا تھا، لے اسے سنبھال! میں ابوالافلح کا بیٹا ہوں۔ اس جملے سے سلافہ سمجھ گئی کہ تیرانداز حضرت عاصم بن ثابت ابن ابوالافلح ہیں۔

دوسرا بیٹا زخمی ہو کر آیا تو اس نے بھی یہی نام بتایا، تب سلافہ نے منت مانی:

''عاصم ابن ثابت کا سر میرے ہاتھ لگا تو میں اس میں شراب بھر کر پیوں گی۔''

ساتھ ہی اس نے اعلان کیا:

''جو شخص بھی عاصم بن ثابت کا سر کاٹ کر میرے پاس لائے گا، میں اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔''

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اس غزوے میں زندہ سلامت رہے، اس لیے اس موقعے پر سلافہ اپنی یہ حسرت پوری نہ کر سکی، تاہم بعد میں واقعہ رجیع پیش آیا۔ اس کا ذکر پھر کسی موقع پر کیا جائے گا۔

ان دونوں بھائیوں کے قتل کے بعد مسافع اور حرث کے بھائی نے پرچم اٹھا لیا۔ اس کا نام کلاب بن طلحہ تھا، اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے وار کیا اور قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کے بھائی جلاس بن طلحہ نے پرچم اٹھایا تو اس پر حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ حملہ آور

ہوئے اور اسے سنبھلنے کی مہلت نہ دی۔

اس طرح یہ چاروں بھائی اپنے باپ کی طرح وہیں قتل ہو گئے۔ اور ان کے دونوں چچا بھی قتل ہو گئے۔

اب مشرکوں کا پرچم ارطاۃ بن شرحبیل نے اٹھایا۔ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کیا اور اسے جہنم رسید کر دیا۔ اس کے بعد شریح بن قارظ نے پرچم سنبھالا، تو وہ بھی قتل ہو گیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اسے کس نے قتل کیا۔ پھر ابو زید بن عمرو نے پرچم اٹھایا حضرت قزمان رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، پھر شرحبیل بن ہاشم کے بیٹے نے پرچم بلند کیا، حضرت قزمان نے اسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اس کے بعد ان لوگوں کے ایک غلام نے پرچم اٹھایا۔ یہ ایک حبشی تھا۔ حضرت قزوان اس کے مقابلے پر بھی آئے۔ یہ لڑتا رہا، یہاں تک کہ اس کا ایک ہاتھ کٹ گیا تو یہ جلدی سے بیٹھ گیا۔ اپنے سینے اور گردن کے سہارے سے پرچم کو تھامے رہا، یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔ یہ روایت بھی آئی ہے کہ اسے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی روایت آئی ہے۔ بہر حال یہ بھی قتل ہوا۔

اس طرح جب مشرکوں کے پرچم بردار ایک ایک کر کے قتل ہو گئے تو ان سب نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان تو پہلے ہی تیار تھے، انہیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ اب زبردست جنگ شروع ہو گئی، مشرکوں کے لشکر میں اس وقت عبدالرحمٰن بن ابوبکر بھی تھے، یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، یہ آگے بڑھے اور للکار کر بولے:

"کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے گا"

بیٹے کی آواز سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر اس کی طرف بڑھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک لیا اور فرمایا:

''نہیں ابوبکر، اپنی جگہ واپس جاؤ، اپنی ذات سے ہمیں اور فائدہ اٹھانے دو۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رک گئے۔ ادھر مشرکین کے گھڑ سوار دستے نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، اس دستے نے تین بار حملہ کیا، لیکن ہر بار منہ کی کھائی، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی کے درے پر جو پچاس تیرانداز مقرر کیے تھے، وہ بڑی مہارت سے تیراندازی کر رہے تھے، وہ اس گھڑ سوار دستے کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے۔ مشرکین ان کے حملے سے بدحواس ہو جاتے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے بھی مشرکوں پر ایک بھرپور حملہ کیا۔ یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ مشرکوں کو شدید نقصان پہنچا۔ ان کے بہت سے بہادر خاک وخون میں لوٹ گئے۔

جنگ پورے زوروں سے جاری تھی کہ مشرکین کی عورتیں اپنے مردوں کو جوش دلانے کے لیے اشعار پڑھنے لگیں۔ ان میں حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی تھی۔

ان کے اشعار سن کر مشرکوں پر جوش سوار ہو گیا، وہ بے جگری سے لڑنے لگے۔ ان حالات میں ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے حیرت انگیز بہادری دکھائی۔ ان کے ہاتھ میں اللہ کے رسول کی دی ہوئی تلوار تھی اور انہیں آج اس تلوار کا حق ادا کرنا تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار دینے سے پہلے فرمایا تھا، اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا۔

حضرت ابودجانہ آگے بڑھے تھے اور عرض کیا تھا:

''اے اللہ کے رسول! میں اس کا حق ادا کروں گا۔''

چنانچہ آپ نے تلوار انہیں دے دی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی تلوار مانگی تھی، لیکن آپ نے ابو دجانہ کو عطا فرمائی۔ اس پر حضرت زبیر نے سوچا، دیکھتے ہیں، ابو دجانہ کس طرح اس تلوار کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ ان کے ساتھ ساتھ رہ کر دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ انہوں نے اپنے موزے میں سے سرخ پٹی نکالی۔ اس کے ایک طرف یہ آیت لکھی تھی۔

''اللہ کی مدد اور فتح قریب ہے۔''

دوسری طرف یہ کلمات لکھے تھے:

''جنگ میں بزدلی شرم کی بات ہے، جو شخص میدان سے بھاگا، وہ جہنم کی آگ سے نہیں بچ سکے گا۔''

ابو دجانہ نے یہ پٹی اپنے سر سے باندھ لی۔ انصاری مسلمانوں نے جب یہ دیکھا تو بول اٹھے:

''ابو دجانہ نے موت کی پٹی باندھ لی ہے۔''

انصاری حضرات میں مشہور تھا، ابو دجانہ جب یہ پٹی سر پر باندھ لیتے ہیں تو پھر دشمن پر اس طرح ٹوٹتے ہیں کہ جو بھی سامنے آتا، بچ نہیں پاتا تھا، چنانچہ اس پٹی کو باندھنے کے بعد انہوں نے نہایت بے جگری سے جنگ شروع کردی۔ مشرکوں کو کاٹتے چلے گئے۔ انہوں نے اس تلوار کا حق اس طرح ادا کیا کہ لڑتے لڑتے اس کی دھار پر دندانے پڑ گئے اور وہ درانتی جیسی ہوگئی اور مڑ بھی گئی۔

ایک مشرک میدان جنگ میں زخمی مسلمانوں کو تلاش کر کر کے قتل کرتا جاتا تھا، جونہی اسے کوئی زخمی مسلمان نظر آتا، وہ جھپٹ کر اسے شہید کر دیتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے اللہ سے دعا کی، یا اللہ! اس کا ابو دجانہ سے سامنا ہو جائے۔ اللہ نے میری دعا قبول کر لی، یہ شخص ابو دجانہ کے سامنے آ گیا۔ دونوں میں تلواروں کے وار ہونے لگے۔ اچانک اس مشرک نے اپنی تلوار بلند کی اور ان کے سر پر وار کرنا چاہا، انہوں نے اس کی تلوار کو اپنی چمڑے کی ڈھال پر روکا۔ اس کی تلوار ڈھال میں پھنس گئی، اسی لمحے ابو دجانہ نے تلوار سے اس پر وار کیا اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ ایک موقعے پر میں نے دیکھا کہ ابو دجانہ، ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کے قریب پہنچ گئے۔ اس پر وار کرنے کے لیے تلوار بلند کی، لیکن پھر رک گئے اور اس سے ہٹ آئے۔

خود حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ کے دوران میں نے دیکھا، ایک مشرک لوگوں کو جوش دلا رہا تھا۔ ان کے حوصلے بلند کر رہا تھا۔ میں فوراً اس پر جھپٹا، جونہی میں نے تلوار اس پر بلند کی، اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ اس وقت اس کی آواز سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ کوئی عورت تھی۔ میں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ایک عورت کو قتل کروں، اس لیے اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

ادھر تو ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بے جگری سے لڑ رہے تھے، دوسری طرف حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ انتہائی سرفروشی کے ساتھ جنگ کر رہے تھے۔ اس دوران ان کے سامنے سباع مشرک آ گیا۔ یہ فتنہ کرنے والی ایک عورت ام انمار کا بیٹا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسے دیکھ کر للکارے:

''اے ام انمار کے بیٹے! سامنے آ۔''

اس کے مقابلے پر آنے کی دیر تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اس وقت میدانِ جنگ میں وحشی بن حرب موجود تھے۔ یہ جبیر بن مطعم کے غلام تھے۔ نیزہ پھینکنے میں بہت ماہر تھے۔ وحشی بن حرب کہتے ہیں، میں حمزہ کو دیکھ رہا تھا۔ ان کی تلوار لوگوں کو بے تحاشہ کاٹ رہی تھی۔ کہتے ہیں، میں مسلسل ان کی تاک میں رہا۔ ایک جگہ جب وہ جھکے تو ان کی زرہ ان کے پیٹ پر سے سرک گئی۔ میں نے فوراً نیزہ پھینکا، نیزہ ان کی ناف کے نیچے لگا۔ وہ وہیں نڈھال ہو کر گر پڑے۔ میں اپنی جگہ سے نکل کر ان کی طرف بڑھا، انہوں نے مجھے دیکھا تو فوراً اٹھے تاکہ مجھ پر وار کریں، لیکن پھر زخم کی شدت سے گر پڑے، میں پھر اپنی جگہ پر چھپ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ وہ ٹھنڈے ہو جائیں تو ان کے نزدیک جاؤں، چنانچہ کچھ دیر بعد ان کے نزدیک گیا، میں نے دیکھا، وہ ختم ہو چکے تھے، اس کے بعد میں ایک طرف جا کر بیٹھ گیا، اس لیے کہ مجھے صرف انہیں قتل کرنے سے دلچسپی تھی۔ جبیر بن مطعم نے اس کے بدلے میں مجھے آزاد کرنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت حمزہ اس روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو تلواروں سے لڑ رہے تھے، لڑتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

''میں اللہ کا شیر ہوں۔''

اسی دوران انہیں ٹھوکر لگی، وہ گرے اور زرہ ان کے پیٹ سے سرک گئی۔ اسی وقت وحشی نے وار کر دیا۔

اس روز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اکتیس کے قریب مشرک مارے گئے۔

حضرت حمزہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا تھے۔ جب وحشی مسلمان ہوئے اور آپ کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ کو چچا کی شہادت یاد آ گئی۔ وحشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے منہ پھیر کر فرمایا:

''وحشی! تم میرے سامنے نہ آیا کرو، مجھے چچا کی موت یاد آ جاتی ہے۔''

حضرت وحشی پر یہ غم سوار رہنے لگا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو شہید کیا ہے۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی:

''اے اللہ! میرے ہاتھوں تیرے رسول کے چچا شہید ہو گئے ہیں۔ اب میرے ہاتھوں کوئی بڑا کافر مارا جائے۔''

اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور جنگ یمامہ میں ان کے ہاتھوں مسیلمہ کذاب قتل ہوا۔

جنگ پوری شدت سے جاری تھی۔ آخر مشرکوں کی ہمت جواب دے گئی۔ پہلے وہ پسپا ہوئے، پھر چیختے چلاتے بھاگنے لگے۔ عورتوں نے جب اپنے مردوں کو اس طرح بھاگتے دیکھا تو وہ بھی بدحواس ہو کر بھاگیں، جب کہ کچھ ہی دیر پہلے وہ دف بجا بجا کر اور اشعار پڑھ پڑھ کر اپنے مردوں کو جوش دلا رہی تھیں۔

مسلمانوں نے جب مشرکوں کو بھاگتے دیکھا تو لگے ان کا پیچھا کرنے۔ وہ انہیں قتل کرتے چلے گئے اور ان کے ہتھیار اور دوسری چیزوں کو جمع کرنے لگے۔ میدان خالی دیکھ کر مسلمان مال غنیمت کی طرف بڑھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی درّے پر پچاس تیر اندازوں کا دستہ مقرر فرمایا تھا۔ ان حضرات نے دوسرے مسلمانوں کو مال غنیمت جمع کرتے دیکھا تو یہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر میدان جنگ کی طرف بڑھے۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''خبردار! کیا کرتے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت دی تھی کہ اس جگہ سے نہ ہٹنا، لہٰذا ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہیے۔''

اس پر ان میں سے ایک نے کہا:

''مشرکوں کو شکست ہوگئی، اب ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے۔''

دوسروں نے بھی اس کی تائید کی۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی اور تاریخ کی یہ بہت بڑی غلطی ان حضرات سے سرزد ہوگئی، البتہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ نو کے قریب صحابہ وہیں کھڑے رہے۔ جانے والوں سے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا:

''میں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔''

ان حضرات نے ان کی اس بات پر بھی کوئی توجہ نہ دی اور درّے سے اتر کر مال غنیمت کی طرف چلے گئے۔

کافروں کے لشکر میں ایک دستے کے سردار خالد بن ولید تھے، شکست کے بعد یہ بھی اپنے دستے کو لے کر پلٹ پڑے... ایسے میں ان کی نظر درّے پر پڑی، جس پر پہلے انہوں نے پچاس تیر اندازوں کو کھڑے دیکھا تھا۔ انہوں نے اس جنگ کے دوران دو تین بار درّے کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تھی... لیکن حضرت عبداللہ بن

جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی زبردست تیر اندازی کے مقابلے میں ان کی پیش نہیں گئی تھی۔ اب جب وہاں صرف دس کے قریب لوگوں کو دیکھا تو انہوں نے جان لیا، یہ بہترین موقع ہے۔ جنگی مہارت تو اللہ نے انہیں عطا فرمائی تھی۔ مسلمان نہ ہونے کی صورت میں بھی وہ مہارت ان میں موجود تھی۔ اپنی اسی مہارت سے انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ مسلمانوں پر کامیابی سے وار اگر اس میدان میں کیا جا سکتا ہے تو اس طرف سے کیا جا سکتا ہے... پہلے پچاس تیر اندازوں کی وجہ سے کامیابی نہ ہو سکی... لیکن اب تو موقع ہے... بس وہ اپنے دستے کے ساتھ درّے کی طرف بڑھے، ان کے ساتھ عکرمہ بن ابوجہل بھی پلٹ پڑے۔ یہ بھی ایک دستے کے سردار تھے۔ درّے پر پہنچ کر انہوں نے ان آدمیوں پر حملہ کر دیا، وہ تعداد میں صرف دس تھے۔ یہ کئی سو، کب تک مقابلہ کرتے، چنانچہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی وہیں شہید ہو گئے۔ انہوں نے شہادت کا جام تو پی لیا، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ انہیں شہید کرنے کے بعد مشرکوں نے ان کا مثلہ کیا، یعنی ان کے ناک، کان کاٹے، ہاتھ پاؤں اور جسم کے دوسرے اعضا بھی کاٹ ڈالے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے جسم پر اس قدر زخم آئے، اتنے نیزے لگے کہ ان کی آنتیں باہر نکل آئیں۔

اس کے بعد ان دو دستوں نے نیچے اتر کر مسلمانوں کو گھیر لیا۔ مسلمان اس وقت بے خبری کے عالم میں مال غنیمت جمع کرنے اور مشرکوں کو قیدی بنانے میں مصروف تھے۔ اچانک مشرک اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچ گئے اور بے خبری میں انہیں اپنی تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ ساتھ ہی مشرکوں نے بلند آواز میں نعرے لگائے:

''یا عزیٰ... یا ہبل۔''

ان کے نعرے سن کر باقی مشرک بھی پلٹ پڑے۔ اب مسلمان پوری طرح ان کے گھیرے میں آ گئے، بدحواس ہو گئے۔

اب تک مسلمانوں نے جتنا مال لوٹا تھا اور جتنے مشرکوں کو قیدی بنایا تھا، سب کچھ چھوڑ کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ نہ ان کی صفیں باقی رہیں، نہ ترتیب۔ ایک کو دوسرے کی کوئی خبر نہیں رہی تھی۔ اس بدحواسی کے عالم میں انہیں اپنا نعرہ بھی یاد نہ رہا۔ جس سے ایک دوسرے کی پہچان ہوتی، چنانچہ اس صورت حال میں ایک دوسرے پر بھی حملہ کر بیٹھے، اس لیے کہ رات کی تاریکی میں وہ اپنے جنگی نعرے کے ذریعے ہی ایک دوسرے کو پہچان سکتے تھے۔ مسلمانوں کا جنگی نعرہ اَمت اَمت تھا۔

مشرکوں کا پرچم زمین پر پڑا تھا، اس نئی صورت حال کو دیکھ کر وہ جان گئے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہے۔ ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے پرچم کو اٹھا لیا۔ اب بھاگتے مشرک بھی پرچم کو دیکھ کر رک گئے۔ سب کے سب پلٹ پڑے اور پرچم کے گرد جمع ہو گئے۔

اس وقت... اس نازک وقت میں ایک مشرک ابن قمہ نے پکار کر کہا:

''محمد قتل ہو گئے۔''

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اعلان ابلیس نے کیا تھا۔ وہ اس وقت جعال بن سراقہ کی شکل میں تھا۔ یہ جعال بن سراقہ اسلام کی ابتدا ہی میں مسلمان ہو چکے تھے۔ نیک اور پاک باز انسان تھے۔ اصحاب صفہ میں سے تھے، روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جعال سے تبدیل کر کے عمر رکھ دیا تھا، ابلیس نے ان کی شکل اختیار کی اور نعرہ لگا دیا۔

بہر حال یہ نعرہ ابلیس نے لگایا یا ابن قمہ نے ،نعرہ لگا تھا اور اس کے لگتے ہی مسلمان حد درجے بدحواس ہو گئے ،اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی دیر پہلے جو شکست کافروں کو ہوئی تھی ،وہ مسلمانوں کی طرف پلٹ آئی ،بدحواسی کی وجہ سے کچھ مسلمان آپس میں تلوار چلانے لگے۔ کچھ مدینے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ غرض کسی کو کسی کے حال کی کوئی خبر نہ رہی۔ بعض نے کہا:

''اب جب کہ آنحضرت قتل ہو چکے،تو ہم لڑ کر کیا کریں گے۔''

اس پر کچھ نے کہا:

''اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے تو کیا تم اپنے نبی کے دین اور پیغام کے لیے نہیں لڑو گے، کیا تمہیں پسند نہیں کہ ایک شہید کی حیثیت میں اللہ کے سامنے حاضر ہو۔''

ایسے میں حضرت ثابت بن رواح رضی اللہ عنہ نے انصاریوں سے کہا:

''اے انصاریو! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو زندہ ہیں، اللہ کو تو موت نہیں آسکتی، اپنے دین کے لیے لڑو، اللہ تعالیٰ تمہیں فتح اور کامرانی عطا فرمائیں گے۔''

یہ سن کر انصار مسلمانوں کا ایک گروہ آگے بڑھا، انہوں نے حضرت ثابت بن قیس کے ساتھ مل کر مشرکوں کے اس دستے پر حملہ کر دیا جس میں خالد بن ولید،عکرمہ بن ابوجہل، عمرو بن عاص اور ضرار بن خطاب شامل تھے۔ مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جماعت کو حملہ کرتے دیکھ کر خالد بن ولید نے ان پر ایک سخت جوابی حملہ کیا۔ ثابت بن قیس اور ان کے ساتھی بے جگری سے لڑتے رہے،لیکن تعداد بہت کم تھی... آخر کار سب شہید ہو گئے...

کچھ لوگ پسپائی اختیار کر کے مدینے کی طرف پلٹے۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ان کے راستے میں آ گئیں، وہ ان سے بولیں:

''تم گھروں میں بیٹھ کر اون کاتو، تلوار مجھے دو۔''

افراتفری کے اس عالم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ جمے رہے۔ ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرماتے رہے:

''اے فلاں! میری طرف آؤ، اے فلاں، میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔''

بدحواسی کا عالم یہ تھا کہ صحابہ کرام کو ان کے یہ الفاظ سنائی نہیں دے رہے تھے۔ ادھر کفار ہر طرف سے آپ پر تیر برسا رہے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ ان تیروں کا رخ پھیرے دے رہے تھے۔ آپ اس حالت میں فرما رہے تھے:

''میں اللہ کا رسول ہوں! اس میں جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

اس نازک ترین وقت میں صحابہ کرام کی ایک جماعت بہرحال آپ کے گرد جمی رہی۔ یہ جماعت برابر مشرکوں کے حملوں کو روک رہی تھی۔ وہ آپ پر پروانوں کی طرح نثار ہو رہے تھے۔ جانیں قربان کر رہے تھے۔ ان میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ بہترین تیر انداز تھے۔ انہوں نے اپنے نیزے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بکھیر دیے اور عرض کیا:

''میری جان آپ پر فدا ہو جائے، اور میرا چہرہ آپ پر ڈھال بن جائے۔''

یہ کہتے جاتے تھے اور دشمنوں پر تیر پر تیر پھینکتے جاتے تھے۔ کسی مسلمان کے پاس تیروں سے بھرا ترکش نظر آتا تو آنحضرت اس سے فرماتے:

''اپنا ترکش ابوطلحہ کے پاس الٹ دو۔''

انہوں نے اس قدر تیر چلائے، اس قدر تیر چلائے کہ اس روز ان کے ہاتھوں میں دو کمانیں ٹوٹیں۔ جس طرف سے تیر آتے، نبی پاک اس طرف کا رخ فرماتے تو یہ کہتے:

''اے اللہ کے نبی! آپ پر میرے ماں باپ قربان! دشمن کی طرف مت دیکھیے، دشمن کا کوئی تیر آپ کو نہ لگ جائے، میں حاضر ہوں۔''

مطلب یہ کہ آپ اوپر کو ہو کر دیکھنے لگتے تو ابوطلحہ گھبرا جاتے، یہ بھی فوراً اچک کر آپ کے سامنے آجاتے تاکہ کوئی تیر آپ کو نہ لگے۔

اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی دشمنوں پر مسلسل تیراندازی کر رہے تھے۔ آپ کے دست مبارک میں اس وقت جو کمان تھی، اس کا نام کتوم تھا۔ اس سے تیراندازی کے وقت آواز پیدا نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے بھی اس قدر تیراندازی کی کہ اس کمان کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ کمان ٹوٹنے کے بعد آپ دشمن پر پتھر پھینکنے لگے۔ اس وقت آپ سب سے زیادہ دشمن کے قریب تھے۔

(روایات میں اس کے خلاف بھی آیا ہے، یعنی آپ نے اپنے ہاتھ سے تیر نہیں چلائے)

آپ کے گرد صحابہ کی جو جماعت اس وقت موجود تھی۔ اس نے زبردست ترین جنگ کی۔ اس جماعت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ بھی بہترین تیرانداز تھے۔ انہوں نے آپ کی کمان سے تیراندازی کی۔ خود کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اٹھا اٹھا کر مجھے دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے

تھے:

’اے سعد! تم تیر اندازی کرتے رہو، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔‘

یہاں تک کہ آپ نے مجھے ایک ایسا تیر دیا جس پر انی نہیں تھی، ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

’کوئی بات نہیں! تم یہی تیر چلاؤ۔‘

ادھر حضرت سعد تیر چلاتے ہوئے کہتے:

’’اے اللہ! یہ تیرا تیر ہے، تو اس کو اپنے دشمن کے جسم میں پیوست کردے۔‘‘

اللہ کے رسول ان سے فرماتے:

’’اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما۔ اے اللہ اس کی تیر اندازی کو درست فرما۔‘‘

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’جب میرا ترکش تیروں سے خالی ہوگیا تو آپ نے اپنا ترکش میرے سامنے الٹ دیا۔‘‘

اس جنگ کے موقعے پر چونکہ آپ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! سعد کی دعا کو قبولیت فرما، لہٰذا اس کے بعد آپ مستجاب الدعوات بن گئے، یعنی وہ جو دعا مانگتے تھے، اللہ قبول فرماتے تھے۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت سعد کوفے کے گورنر تھے، کوفے کے لوگوں نے ان کے خلاف جھوٹی شکایات حضرت عمر تک پہنچائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان خبروں کی تصدیق کے لیے ایک جماعت کو بھیجا۔

جب انہوں نے لوگوں سے پوچھ تاچھ کی تو صرف ایک شخص ابوسعدہ نے ان باتوں کی تصدیق کی اور سب نے ان الزامات کو غلط قرار دیا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ابوسعدہ کی جھوٹی گواہی کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے اس کے لیے بددعا کی اور کہا:

''اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اسے لمبی عمر دے، اسے ہمیشہ فقر اور فاقے میں مبتلا رکھ، اسے اندھا کر دے، اسے فتنوں میں مبتلا کر دے۔''

آپ کی دعا قبول ہوئی۔ ابوسعدہ اندھا ہو گیا اور تنگ دستی میں مبتلا ہوا۔ عمر بھی بہت زیادہ ہوئی۔ کوفے کے گلی کوچوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا، کہا کرتا تھا، مجھے سعد کی بددعا لے بیٹھی۔

آپ نے احد کے دن ایک ہزار تیر چلائے۔ ہر تیر پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ میں نے آپ کو صرف حضرت سعد بن ابی وقاص کے لیے ہی فرماتے ہوئے سنا، کسی اور کے لیے آپ نے یہ نہیں فرمایا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یوں بھی رشتے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''یہ سعد میرے ماموں ہیں، کوئی مجھے ایسا ماموں تو دکھائے۔''

اسی طرح باقی صحابہ بھی اپنی جان قربان کرنے پر تل گئے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت سہل بن حنیف بھی تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دشمن کے انتہائی دباؤ کے وقت

بھی یہ ثابت قدمی کے ساتھ آپ کی حفاظت کرتے رہے۔ دشمن پر تیر برساتے رہے۔ آپ دوسروں سے فرماتے تھے:

''سہل کو تیر دیتے رہو۔''

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا حضرت زید بن عاصم کی بیوی تھیں، یہ فرماتی ہیں:

''میں غزوہ احد کے موقعے پر پانی کا مشکیزہ لے کر نکلی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ لوگ کیا کر رہے ہیں، ساتھ ہی میں نے سوچا کہ زخمیوں کو پانی پلاؤں گی، جب میں میدان جنگ میں پہنچی تو جنگ زور شور سے ہو رہی تھی اور مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ کافروں کی فوج میں شکست کے آثار پیدا ہو چکے تھے، لیکن پھر پانسہ پلٹ گیا، مسلمانوں کو شکست ہوگئی۔ صحابہ افراتفری کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ادھر مشرکوں نے چاروں طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر میں جلدی سے آپ کے قریب پہنچ گئی اور تلوار کے ذریعے کافروں سے جنگ کرنے لگی۔ میں تلوار کے ذریعے دشمنوں کو آپ کے نزدیک پہنچنے سے روکنے لگی۔ ساتھ ہی میں کمان سے تیر چلا رہی تھی، یہاں تک کہ میں خود بھی زخمی ہوگئی۔''

ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا نام نسیبہ تھا۔ ان کے خاوند زید بن عاصم اور دو بیٹے خبیب اور عبداللہ بھی جنگ میں شریک تھے۔ گویا سارا گھرانہ جنگ میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ آپ نے اس گھرانے کے بارے میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تم گھر والوں پر رحمتیں نازل فرمائے۔''

آپ نے ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

''غزوہ احد کے دن میں دائیں بائیں جدھر بھی دیکھتا تھا، ام عمارہ نظر آتی تھیں۔ یہ

میری حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا کر دشمنوں سے لڑ رہی تھیں۔''

غزوہ احد میں ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے بارہ زخم آئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کرنے والوں میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ اسلام لانے سے پہلے ایک دولت مند گھرانے کے فرزند تھے۔ بہت خوب صورت، بانکے اور سجیلے نوجوان تھے، ان کے جسم پر ہمیشہ قیمتی لباس نظر آتا تھا۔ جب یہ اسلام لے آئے تو گھر والوں نے ان پر ظلم کی بارش کر دی۔ ماں تک نے رحم نہ کھایا، انہیں رسیوں سے جکڑا گیا، انہیں قید میں رکھا گیا۔ آخر قید سے فرار ہوئے، حبشہ کی ہجرت کی، پھر حبشہ سے واپس مکہ آ گئے۔ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت ہوئی تو یہ اس ہجرت میں بھی شامل تھے۔ آخر مدینے کی ہجرت سے تین چار سال پہلے واپس مکہ آ گئے۔ اپنا زیادہ تر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارنے لگے۔ اس وقت ان کی خوب صورت جلد موٹی اور کھردری ہو گئی تھی، جسم میں قیمتی کپڑوں کی جگہ پیوند لگے کپڑے ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ایک بار فرمایا تھا:

''چند سال پہلے میں نے ایک نوجوان کو دیکھا تھا، سارے مکہ میں اس سے بڑھ کر ناز و نعمت سے پلنے والا کوئی نہیں تھا، لیکن آج اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اس نے اپنا یہ تمام عیش قربان کر دیا۔''

یہ الفاظ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمائے تھے۔ بیعت عقبہ کے موقعے پر جب مدینے کے لوگ مسلمان ہوئے تو آپ نے انہیں دین کی تعلیم دینے کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہی کو بھیجا تھا۔ آپ نے مدینہ منورہ میں

دین کی تعلیم شروع کی اور اس کام کو بہت احسن طریقے سے نبھایا۔

یہی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آج احد کے میدان میں مشکل ترین لمحات میں اللہ کے رسول کا بچاؤ کر رہے تھے۔ وہ اپنی جان قربان کرنے پر تل گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا ابھی آپ کو مرحمت فرمایا تھا۔ مشرکین کی طرف سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ اڑائی گئی تو یہ بولے:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم گرنے نہیں دوں گا۔''

یہ کہا اور ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں علم لیے کفار پر ٹوٹ پڑے۔ دیر تک کفار سے جنگ کرتے رہے، پھر ابن قمہ نے ان پر تلوار کا وار کیا۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ علم فوراً بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، اس نے بائیں ہاتھ پر وار کیا، بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو دونوں بازو سینے سے لپٹا کر علم تھام لیا۔ گویا ٹھان چکے تھے کہ جب تک سانس میں سانس ہے، اسلام کا پرچم گرنے نہیں دیں گے، بد بخت ابن قمہ نے تیسرا وار کیا۔ یہ وار سینے پر لگا۔ آپ شہید ہو گئے، اسی وقت ان کے بھائی ابوالروم آگے بڑھے اور علم کو سنبھال لیا، اس لڑائی کے اختتام تک جھنڈا انہی کے ہاتھ میں رہا اور انہوں نے گرنے نہ دیا۔ اسی حالت میں جھنڈا اٹھائے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کرتے ہوئے شہید ہو گئے، ایسے میں امیہ بن خلف یہ کہتا ہوا آگے بڑھا:

''محمد کہاں ہیں، آج یا تو وہ رہیں گے یا میں رہوں گا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی، لیکن آپ نے انہیں روک دیا

اور ارشاد فرمایا:

''اسے آنے دو۔''

آپ نے اپنے ایک صحابی کے ہاتھ سے نیزہ لے لیا، پھر جونہی امیہ نزدیک آیا، آپ نے نیزے کی اَنی اس کی گردن سے چھودی۔ آپ نے اس قدر آہستہ سے نیزے کی انی اس کی گردن میں چبھوئی تھی کہ خون بھی نہیں نکلا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ ہلکی سی خراش لگتے ہی چیخ مار کر پیچھے ہٹا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی وہ کہہ رہا تھا:

''اللہ کی قسم! محمد نے مجھے مار ڈالا۔''

اس کے ساتھیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی اور کہنے لگے:

''تو تو بہت بزدل نکلا، ایک ذرا سی خراش آئی اور چیخ رہا ہے۔''

اس پر امیہ بن خلف نے چیختے ہوئے کہا:

''لات اور عزیٰ کی قسم! اس وقت مجھے اس قدر اذیت ناک تکلیف ہو رہی ہے کہ اگر وہ مکے کے سارے لوگوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے سب مر جائیں۔ محمد نے مجھ سے مکے میں ایک مرتبہ کہا تھا، میں ہی تجھے قتل کروں گا...

خدا کی قسم! زخم تو بڑی چیز ہے، اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں اسی وقت ختم ہو جاتا۔''

یہ اس خراش سے اس قدر خوف زدہ اس لیے تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں تھے تو یہ آپ سے کہا کرتا تھا:

''اے محمد! میرے پاس ایک بہترین گھوڑا ہے، میں اسے روزانہ بارہ مد چارہ کھلا کر موٹا

کررہا ہوں، میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر تمہیں قتل کروں گا۔''

اس کا یہ دعویٰ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

''ان شاءاللہ! میں خود تجھے قتل کروں گا۔''

یہ اسی حالت میں مکے کی طرف روانہ ہوا لیکن راستے ہی میں مر گیا۔

امیہ بن خلف کے بھاگنے کے بعد ابن قمہ آگے بڑھا۔ اس نے آپ پر وار کرنے کی کوشش کی، اس کے وار سے بچنے کی کوشش میں آپ ایک گڑھے میں گر گئے۔ حضرت علی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما نے آپ کو گڑھے سے نکالا، اس وقت ابن قمہ نے ایک پتھر آپ کی طرف پھینکا، پتھر آپ کے منہ پر لگا۔ آپ کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ نچلا ہونٹ پھٹ گیا۔ آپ نے اس کے لیے بددعا کی:

''اے اللہ! ایک سال گزرنے سے پہلے ہی اسے کفر کی حالت میں موت دے۔''

اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ اسے اسی روز حاطب ابن ابی بلتعہ نے قتل کر دیا۔

حضرت حاطب کہتے ہیں:

''جب میں نے ابن قمہ کے بارے میں پوچھا، وہ کدھر گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سمت میں ارشاد فرمایا۔ میں نے فوراً ادھر کا رخ کیا۔ یہاں تک کہ میں اس کے قریب پہنچ گیا، میں نے فوراً اس پر تلوار کا وار کیا۔ اس کی گردن کٹ گئی۔ سر دھڑ سے الگ ہو کر دور جا گرا۔ میں نے اس کی تلوار اور گھوڑے پر قبضہ کیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں اسے ٹھکانے لگا آیا ہوں۔''

اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تم سے راضی ہو گیا، اللہ تم سے راضی ہو گیا۔''

اس دوران آپ کے خود پر ایک پتھر آ کر لگا۔ خود کی کڑیاں آپ کی پیشانی مبارک میں دھنس گئیں۔

ان زخموں کی وجہ سے آپ کے چہرۂ مبارک سے خون بہنے لگا، یہ دیکھ کر حضرت مالک بن سنان خدری آگے بڑھے اور اپنے منہ سے خون چوس کر اس جگہ کو خشک کیا۔ اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا:

''جس کے خون میں میرا خون شامل ہو گیا، اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔''

ایک روایت میں الفاظ یوں ہیں:

''جو شخص جنتیوں میں سے کسی کو دیکھنا چاہے، وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔''

مالک بن سنان خدری رضی اللہ عنہ اس کے بعد جنگ کرتے ہوئے احد کے میدان میں شہید ہوئے۔ یہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔

آپ کی پیشانی مبارک میں خود کی کڑیاں دھنس گئی تھیں، ان کڑیوں کو نکالنے کے لیے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا۔ زور جو لگایا تو ان کا سامنے والا دانت ٹوٹ گیا، تاہم ساتھ ہی کڑی بھی نکل آئی۔ اب انہوں نے دوسری کڑی دانتوں میں لے کر زور لگایا تو ان کا دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا، لیکن دوسری کڑی بھی نکل آئی۔

اس طرح ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے، اس دو

دانتوں کے ٹوٹنے کی تاثیر یہ سامنے آئی کہ ان کا چہرہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ خوب صورت ہو گیا۔

جنگ کے دوران جب مشرکوں نے یہ افواہ اڑائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سلامت دیکھا، لہٰذا وہ پوری قوت سے چلا اٹھے:

''مسلمانو! تمہیں خوش خبری ہو، یہ اللہ کے رسول موجود ہیں۔''

مسلمانوں نے یہ الفاظ سنے تو ان کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ اس لمحے انہوں نے محسوس کیا، نہ انہیں شکست ہوئی ہے، نہ ان کا کوئی نقصان ہوا ہے۔

پھر جب سب مسلمانوں نے آپ کو دیکھ لیا تو پہچان گئے۔ وہ آپ کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے اور آپ ان سب کو لے کر ایک گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت حرمت بن صمہ رضی اللہ عنہم تھے۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب خصائص عشرہ میں لکھا ہے:

''احد کے دن حضرت زبیر بن عوام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی ثابت قدمی سے رہے۔ انہوں نے اس موقعے پر آپ سے موت کی بیعت کی یعنی یہ عہد کیا کہ آپ کی حفاظت میں جان دے دیں گے مگر آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔''

صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ آپ ایک چٹان پر پہنچ گئے۔ ایسے میں قریش کی ایک جماعت پہاڑی پر پہنچ گئی۔ ان لوگوں میں حضرت خالد بن ولید بھی تھے۔ انہیں دیکھ کر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ ان پر حملہ کیا اور زبردست مقابلے کے بعد انہیں وہاں سے دھکیل دیا، یہاں تک کہ وہ پہاڑی سے نیچے اترنے پر مجبور ہوگئے۔

مشرکین پہاڑ پر نظر آئے تو آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''سعد! ان پر تیر چلاؤ، انہیں پسپا کرو۔''

اس پر حضرت سعد بولے:

''اللہ کے رسول! بھلا میں اکیلا انہیں کیسے پسپا کرسکوں گا۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''انہیں پسپا کرو۔''

اب انہوں نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر لیا اور نشانہ لے کر تیر چلایا۔ جب تیر پر تیر چلائے گئے تو مشرکوں کی جماعت پسپا ہوئی اور بھاگ نکلی۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بوڑھوں کو عورتوں کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ یہ حضرت حذیفہ کے والد یمان اور حضرت ثابت بن قیس تھے۔ جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو انہوں نے آپس میں کہا:

''اللہ کی پناہ! آخر ہم کس بات کا انتظار کر رہے ہیں، اس عمر کو پہنچنے کے بعد اب ہم میں کسی کے لیے کوئی کشش باقی نہیں رہی، کیوں نہ ہم اپنی تلواریں اٹھا کر رسول اللہ کے پاس پہنچ جائیں۔ ممکن ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت کی دولت عطا فرما دیں۔''

چنانچہ دونوں تلواریں سنبھال کر مشرکوں کی طرف سے آ کر مسلمانوں کے ساتھ

آ ملے۔ مسلمانوں کو ان کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ حضرت ثابت تو مشرکوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، جب کہ حضرت یمان کو مسلمانوں نے مشرکوں کا آدمی خیال کیا۔ وہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح یہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔

ادھر ان پر تلواریں اٹھیں، ادھر حضرت حذیفہ نے انہیں پہچان لیا، وہ فوراً چلائے:

''ارے یہ تو میرے والد ہیں۔''

لیکن اس وقت تک تلواریں ان کے جسم پر پڑ چکی تھیں۔ مسلمانوں کو ان کے قتل پر بہت رنج ہوا۔ بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی طرف سے حضرت یمان کا خون بہا حضرت حذیفہ کو دینا چاہا، لیکن انہوں نے معاف کر دیا۔

احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور وہ منتشر ہو گئے تو کافروں کی عورتیں مسلمانوں کی لاشوں کو تلاش کر کے ان کے ناک کان کاٹنے لگیں اور آنکھیں نکالنے لگیں۔ آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھی ناک کان کاٹے گئے۔

اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کو بعد میں شکست ہو گئی تھی، لیکن کفار اس موقع سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکے، مسلمانوں کو مکمل طور پر شکست نہ دے سکے۔ اس لیے کہ شروع میں شکست ہوتے ہی کافر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور جب خالد بن ولید نے گھاٹی کی طرف سے حملہ کیا تو وہاں کفار کی تعداد زیادہ نہیں رہ گئی تھی، اس لیے کفار بھی مکمل طور پر فتح حاصل نہ کر سکے۔ میدان جنگ سے رخصت ہونے سے پہلے ابوسفیان نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر پکار کر کہا:

''ہبل زندہ باد، تیرا دین سربلند ہوا۔ یہ اسی طرح سربلند ہوتا رہے گا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے الفاظ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''عمر اٹھو! اس کی بات کا جواب دو اور کہو، اللہ کی ذات ہی سر بلند و برتر ہے۔ ہماری اور تمہاری کوئی بات برابر نہیں، ہمارے شہدا جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز میں یہ الفاظ دہرائے۔ جواب میں ابوسفیان نے پھر کہا:

''ہمارا عزّیٰ ہے جب کہ تمہارا کوئی عزّیٰ نہیں۔''

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے جواب فرمایا:

''ہمارا والی و آقا اللہ تعالیٰ ہے جب کہ تمہارا کوئی ایسا آقا نہیں۔''

اس وقت تک ابوسفیان کا خیال یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا جا چکا ہے۔ ادھر سے جواب بھی اس کی باتوں کا حضرت عمر دے رہے تھے، اس سے اور زیادہ یقین ہو گیا، آخر اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پکارا:

''عمر! ذرا سامنے آ کر بات کرو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو حکم فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ اور دیکھو، وہ کیا کہتا ہے، چنانچہ حضرت عمر اس کے سامنے چلے گئے۔ تب اس نے پوچھا:

''عمر! کیا واقعی ہمارے کسی ساتھی نے محمد کو قتل کر دیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''نہیں! اللہ کی قسم! اللہ کے رسول اس وقت بھی تیری باتیں سن رہے ہیں۔''

اس پر ابوسفیان نے کہا:

''تم میرے نزدیک ابن قمہ سے زیادہ قابل یقین ہو۔''

ابن قمہ نے چونکہ آپ کے قتل کی خبر اڑائی تھی، اس لیے اس موقعے پر ابوسفیان نے یہ بات کہی۔

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا:

''اچھا، آیندہ سال بدر کے میدان میں ہم پھر ملیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا گیا:

''ٹھیک ہے، ہمارا تمہارا ملنے کا وعدہ رہا۔''

اس کے بعد قریشی لشکر روانہ ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی یا حضرت سعد بن ابی وقاص کو حکم فرمایا:

''دشمن کے پیچھے جاؤ، دیکھو، وہ کیا کرتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں، اگر یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہوں اور گھوڑوں کو ہانک کر لے جاتے نظر آئیں تو سمجھ لینا، وہ مکہ جارہے ہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر انہوں نے مدینے کا رخ کیا تو میں ہر قیمت پر مدینے پہنچ کر ان کا مقابلہ کروں گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں ان کے پیچھے گیا۔ میں نے دیکھا، وہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے مکے کی طرف کوچ کر گئے۔ جب کہ اس سے پہلے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا اور بعض نے کہا تھا، ہمیں مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہیے، مگر پھر مکے جانے کا فیصلہ ہو گیا۔

جب ان کی طرف سے اطمینان ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدا کی طرف توجہ

فرمائی۔ آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''کوئی ہے جو سعد بن ربیع کی خبر لائے، وہ زندہ ہیں یا شہید ہو چکے ہیں، اس لیے کہ میں نے ان کے اوپر تلواریں چمکتے دیکھی تھیں۔''

ایک انصاری صحابی بولے:

''میں جاتا ہوں ان کی تلاش میں۔''

آپ نے ان سے ارشاد فرمایا:

''اگر تم سعد بن ربیع کو زندہ پاؤ تو ان سے میرا اسلام کہنا اور کہنا، اللہ کے رسول تم سے پوچھتے ہیں، تم کس حال میں ہو۔''

انصاری صحابی حضرت سعد کی تلاش میں نکلے۔ آخر ایک جگہ انہوں نے حضرت سعد کو زخموں سے چور پڑا پایا۔ اس وقت ان میں زندگی کے کچھ آثار باقی تھے۔ انصاری صحابی نے فوراً ان سے کہا:

''مجھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تمہارا حال معلوم کروں۔''

یہ سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا اسلام عرض کرنا، اور کہنا کہ ابن ربیع آپ کے لیے عرض کرتا ہے، اللہ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے، وہ جزا جو ایک امت کی طرف سے اس کے نبی کو مل سکتی ہے اور اپنی قوم کو بھی میرا اسلام پہنچا دینا اور ان سے کہنا، سعد بن ربیع تم سے کہتا ہے، اگر تم نے اس حالت میں بھی دشمن کو اللہ کے نبی تک پہنچنے دیا کہ تم میں آنکھ جھپکنے یا ہونٹ ہلانے جتنی طاقت موجود ہے، یا تم میں ایک شخص بھی زندہ موجود ہے اور

دشمن اللہ کے رسول تک پہنچ گئے تو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔''

اتنا کہنے کے چند لمحوں بعد ہی آپ کی روح پرواز کرگئی۔ آپ کے جسم پر نیزوں کے بارہ زخم آئے تھے۔ آپ اس وقت تک لڑتے رہے تھے جب تک کہ جسم میں سکت باقی تھی۔ انصاری صحابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ان کے بارے میں بتایا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ان کی تلاش میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آئے تھے اور لاشوں کے درمیان کھڑے ہوکر انہوں نے کئی بار پکارا تھا:

''سعد بن ربیع! آپ کہاں ہیں۔''

کوئی جواب نہ ملنے پر انہوں نے یہ الفاظ کہے:

''مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا ہے۔''

اس پر حضرت سعد نے نہایت کمزور آواز میں جواب دیا اور وہ الفاظ کہے جو اوپر بیان کیے گئے۔

ان کی شہادت کی خبر پاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے، انہوں نے صرف اللہ اور رسول کے لیے زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں نصیحتیں کیں۔''

حضرت سعد کی دو بیٹیاں تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک بیٹی ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے

لیے اپنی چادر بچھا دی۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے آئے، انہوں نے پوچھا:

''یہ کون خاتون ہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو مجھ سے اور تم سے بہتر تھا۔''

اس پر حضرت عمر بولے:

''اے خلیفہء رسول! وہ کون تھے؟''

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''وہ شخص وہ تھا جو ہم سے پہلے جنت میں چلا گیا... میں اور تم پیچھے رہ گئے، یہ سعد بن ربیع کی بیٹی ہیں۔''

اب جب کہ جنگ ختم ہو چکی تھی، مشرکین جا چکے تھے، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش کی تلاش میں نکلے۔ اسی وقت ایک شخص نے آ کر بتایا:

''میں نے انہیں ان چٹانوں کے قریب دیکھا ہے... جب وہ شہید ہوئے، اس وقت کہہ رہے تھے، میں اللہ کا شیر ہوں اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔''

آپ ان چٹانوں کی طرف چلے، جہاں ان صاحب نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا۔ وادی کے درمیان میں آپ کو ان کی نعش نظر آئی۔ ان کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیے گئے تھے۔ آپ کے لیے یہ منظر انتہائی اذیت ناک تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا:

''اے چچا! آپ سے زیادہ تکلیف دہ حادثہ کسی کو پیش نہیں آیا، آج جیسا تکلیف دہ منظر میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا، آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں، میں نے آپ کو ہمیشہ نیک اور رشتے داروں کی خبر گیری کرنے والا پایا۔''

یہ الفاظ کہتے ہوئے آپ کی آنکھیں بے تحاشہ آنسو بہا رہی تھیں، ایسے میں آپ کو بتایا گیا:

''حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن صفیہ رضی اللہ عنہا انہیں دیکھنے کے لیے آ رہی ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان کی والدہ یعنی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت صفیہ، حضرت حمزہ کی بہن تھیں، لاش کی اس قدر بے حرمتی ہو چکی تھی کہ ان کو دیکھ کر وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکتی تھیں، چنانچہ حضرت زبیر اپنی والدہ کی طرف لپکے تاکہ انہیں راستے ہی میں روک دیں اور انہوں نے ان سے فرمایا:

''اماں جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ آپ واپس چلی جائیں۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بیٹے کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

''کیوں آخر، میں جانتی ہوں، میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے، مگر ہے تو یہ سب اللہ کے راستے میں، میں ان شاء اللہ صبر کا دامن نہیں چھوڑوں گی۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ان کا جواب آپ کو سنایا۔ اس پر آپ نے فرمایا:

''اچھا تو پھر انہیں آنے دو۔''

چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آکر بھائی کی لاش کو دیکھا، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک چھوٹی سی چادر میں کفن دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو کفن کے لیے بھی ایک چھوٹی سی چادر میسر آئی۔ اس چادر سے جب ان کا سر ڈھانپا گیا تو پاؤں کھل گئے۔ پاؤں ڈھانپے گئے تو سر کھل گیا۔ آخر آپ نے فرمایا:

''سر ڈھانپ دو اور پیروں پر گھاس ڈال دو۔''

یہ اس مصعب بن عمیر کا کفن تھا جو اسلام لانے سے پہلے بڑے شوقین مزاج تھے۔ مال دار گھرانے سے تعلق تھا اور دو دو سو درہم کا سوٹ پہنتے تھے۔ لباس خوشبوؤں سے مہکا کرتا تھا، مسلمان ہوئے تو والدہ نے جسم کا لباس تک اتروالیا تھا اور اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ آج کفن بھی اسی انداز کا نصیب ہوا تھا۔

شہدا کو دفن کرنے سے پہلے جب کفن کے لیے کپڑے نہ ملے تو ایک ایک کفن میں دو دو تین تین لاشوں کو لپیٹا گیا۔

پھر آپ نے حضرت حمزہ کی نمازِ جنازہ پڑھی اور چار تکبیرات کہیں۔ اس کے بعد دوسرے صحابہ کی لاشیں ایک کے بعد ایک لاکر حضرت حمزہ کے برابر رکھی جاتی رہیں اور آپ ان کی نمازِ جنازہ پڑھتے رہے، اس طرح اس روز حضرت حمزہ کی نمازِ جنازہ ہر ایک کے ساتھ ہوتی رہی۔ نمازِ جنازہ کے بعد ایک لاش اٹھا دی جاتی اور دوسری لاکر رکھ دی جاتی تھی، لیکن

حضرت حمزہ کی لاش وہیں رہی۔ آپ نے 72 مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی۔

نمازِ جنازہ پڑھنے کی مختلف روایات ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دس دس صحابہ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔

نمازِ جنازہ سے پہلے شہدا کو غسل نہیں دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے چہرے پر زخم آیا تھا، جس وقت ان کا آخری وقت آیا تو ہاتھ اس زخم پر تھا۔ جب ان کی لاش دفن کے لیے اٹھانے لگے تو ہاتھ چہرے سے ہٹایا گیا، ہاتھ کے ہٹتے ہی زخم سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا، چنانچہ ہاتھ پھر سے زخم پر رکھ دیا گیا۔ جونہی ہاتھ زخم پر رکھا گیا، خون رک گیا۔ کافی مدت بعد احد کے میدان میں ایک سیلابی ریلہ آیا، اس سے ان کی قبر کھل گئی۔ حضرت عمرو بن جموح کو بھی ان کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا، لاشیں بالکل تر و تازہ تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اسی طرح زخم پر تھا۔ ہاتھ ہٹایا گیا، لیکن ہاتھ خود بخود پھر وہیں جا کر جم گیا۔ جب کہ جسم بالکل نرم تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں میدان احد میں ایک نہر کھدوانے کا پروگرام بنایا گیا۔ اس نہر کو شہدا کی قبروں کے درمیان سے گزارنا تھا، چنانچہ آپ نے اعلان کروا دیا کہ شہدا کی نعشوں کو نکال لیا جائے۔ جب نعشوں کو قبروں سے نکالا گیا تو وہ بالکل تر و تازہ تھیں۔ اس وقت احد کے واقعے کو چالیس سال گزر چکے تھے۔ تمام شہدا کے جسم بالکل نرم تھے۔ ان میں نام کو بھی سختی نہیں آئی تھی۔

کھدائی کے دوران سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر کدال لگ گئی تو اس سے خون جاری ہو گیا۔ آپ کا جسم بھی بالکل تر و تازہ تھا۔ جیسے زندہ انسان کا تھا، یہاں تک کہ خون بھی

رگوں میں خشک نہیں ہوا تھا اور اس طرح شریانوں میں جاری تھا کہ ذرا سی خراش پر زندہ جسم کی طرح بہنے لگتا تھا۔ دوسری خاص بات یہ کہ جب ان شہدا کی لاشوں کو وہاں سے نکالا گیا تو ان قبروں سے مشک اور عنبر جیسی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

یہ واقعہ غزوہ احد کے قریباً چالیس سال بعد کا ہے، جب کہ مدینہ منورہ کی زمین شوریلی ہے اور اس قدر شوریلی ہے کہ پہلی رات ہی لاش میں تبدیلی کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور یہ صرف اس لیے ہے کہ زمین شہدا کے جسموں کو بھی اسی طرح نہیں کھاتی جس طرح انبیا کرام کے جسموں کو۔

شہدا کو دفن کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی:

''جسے قرآن زیادہ یاد تھا، اسے قبر میں آگے رکھو۔''

یعنی اسے قبلہ رخ اور دوسرے کو اس کے پیچھے رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ بعض قبروں میں تین تین شہدا کو دفن کیا گیا۔

جب ان سب شہدا کو دفن کیا جا چکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''میں ان سب کا گواہ ہوں، جو زخم بھی اللہ کے راستے میں کسی کو لگا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس زخم کو دوبارہ اسی حالت میں پیدا فرمائے گا کہ اس کا رنگ خون کے رنگ کا ہوگا اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارے جو بھائی غزوہ احد میں شہید ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز

رنگ کے پرندوں کے جسموں میں ڈال دی ہیں، وہ جنت کی نہر پر آ کر اترتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں اور سونے کی ان قندیلوں پر بسیرا کرتے ہیں جو عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی ہیں۔ جب یہ شہید اپنے بہترین کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں:

''کاش! ہمارے بھائی جان لیتے کہ حق تعالیٰ نے ہم پر کیسے کیسے انعام فرمائے ہیں، تاکہ وہ جہاد سے جی نہ چرائیں اور جنگ سے بچنے کی کوشش نہ کریں۔''

اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں تمہاری طرف سے ان تک یہ بات پہنچا دوں گا۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

''اور اے مخاطب! جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ مت خیال کر، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، انہیں رزق ملتا ہے۔''

اس سلسلے میں ایک روایت یہ ہے۔

غزوہ احد میں قتل ہونے والے صحابہ میں حضرت ابو جابر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اس موقعے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے جابر! کیا میں تمہیں ایک بات نہ بتا دوں، یہ کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی سے یعنی کسی شہید سے کلام فرماتا ہے تو پردوں میں کلام فرماتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ سے رو برو کلام کیا ہے، یعنی پردوں کے بغیر کلام کیا ہے اور ان سے فرمایا، مجھ سے کچھ سوال کر، میں تجھے عطا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا، اے رب! میں چاہتا ہوں، مجھے دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ میں وہاں پہنچ کر پھر تیری راہ میں قتل ہو سکوں۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

یہ میری عادت کے خلاف ہے کہ دنیا میں دوبارہ بھیجوں، تب انہوں نے عرض کیا، تو پھر جو لوگ دنیا میں موجود ہیں، ان تک یہ بات پہنچا دے کہ ہمیں یہاں کیسے کیسے انعامات سے نوازا جارہا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی۔

بنی دینار کی ایک عورت کا باپ، بھائی، شوہر اور بیٹا شہید ہوئے۔ جب لوگوں نے انہیں یہ خبر سنائی تو بولیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔''

لوگوں نے بتایا:

''تمہاری خوشی کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخیر و عافیت ہیں۔''

اس پر وہ بولیں:

''میں آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔''

پھر جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو بولیں:

''جب آپ خیریت سے ہیں تو اب ہر مصیبت آسان ہے۔''

یعنی اب بڑی سے بڑی مصیبت کی کوئی اہمیت نہیں، اب کسی مصیبت کی کوئی پروا نہیں۔

غزوہ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں زخم آیا۔ یہاں تک کہ آنکھ نکل کر باہر لٹک گئی۔ لوگوں نے اس کو کاٹ ڈالنے کا ارادہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ٹھہرو! کاٹو نہیں۔''

پھر آپ نے انہیں نزدیک بلایا۔ ان کی آنکھ کو اپنے دست مبارک میں لے کر ہتھیلی سے اس کی جگہ پر رکھ دیا، پھر آپ نے یہ دعا پڑھی:

''اے اللہ! ان کی آنکھ کو ان کے حسن اور خوب صورتی کا ذریعہ بنادے۔''

چنانچہ یہ آنکھ دوسری کی نسبت زیادہ خوب صورت ہوگئی۔ اس کی بینائی اس سے زیادہ تیز ہوگئی، اس آنکھ میں پھر زندگی بھر کوئی تکلیف بھی نہ ہوئی اور ان کا چہرہ پہلے کی نسبت زیادہ خوب صورت ہوگیا۔

آخر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم احد کے میدان سے واپس مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام صحابہ ساتھ تھے، لیکن قریب قریب سبھی زخمی تھے۔ راستے میں مدینہ منورہ کی طرف سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ آتی نظر آئیں۔ حضرت سعد نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! یہ میری والدہ ہیں۔''

آپ نے ان سے فرمایا:

''اے ام سعد! تمہیں خوش خبری ہو اور سب شہیدوں کے گھر والوں کو بھی خوش خبری ہو، ان کے سب مقتولین جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں اور سب نے اپنے اپنے گھر والوں کے لیے اللہ سے سفارش کی ہے۔''

یہ سن کر ام سعد بولیں:

''اے اللہ کے رسول! ہم سب راضی برضا ہیں اور اس خوش خبری کے بعد بھلا شہدا پر کون روسکتا ہے۔''

غزوہ احد میں 70 صحابہ شہید ہوئے۔ ان میں سے چار مہاجرین تھے، باقی سب انصاری تھے۔

الحمد اللہ! احد کا معرکہ اختتام کو پہنچا۔

امت کے فقیہہ

چار نوجوان کعبے میں جمع ہو گئے، چاروں قریش کے نوجوان تھے۔ انہوں نے طے کیا کہ ان میں سے ہر ایک رکن ایمانی پکڑ کر اللہ سے دعا کرے، اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے کے لیے دعا مانگے، چنانچہ ان میں سے ایک نے دعا مانگی:

''اے اللہ! تو عظیم ہے اور تجھ سے عظیم چیزیں ہی مانگی جا سکتی ہیں، اس لیے میں تجھے تیرے عرش، تیرے حرم، تیرے نبی اور تیری ذات کی حرمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک کہ حجاز کی سرزمین پر میری حکومت نہ ہو جائے۔''

اس کے بعد دوسرے نوجوان نے رکن ایمانی کو پکڑا اور یہ دعا مانگی:

''الٰہی! تو کائنات کی ہر شے کا مالک ہے، آخر میں ہر ایک چیز کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے، میں تجھ سے تیری قدرت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک کہ میں عراق کا والی نہ بن جاؤں۔''

اس کے بعد تیسرا نوجوان اٹھا۔ اس نے رکن ایمانی کو پکڑ کر یہ دعا مانگی:

''اے ارض وسما کے مالک! میں تجھ سے ایسی چیز مانگتا ہوں جس کو تیرے اطاعت گزار بندوں نے، تیرے حکم سے مانگا ہے، میں تجھ سے تیری ذات کی کبریائی، تیری مخلوقات اور اہل حرم کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ

اٹھانا جب تک کہ مشرق اور مغرب پر میری حکومت نہ قائم ہو جائے اور جو شخص میرے خلاف کھڑا ہو، اس کا سر نہ کچل دوں۔"

اس کے بعد چوتھے نوجوان کی باری آئی، اس نے رکن ایمانی پکڑ کر دعا مانگی:

"اے اللہ! تو رحمٰن اور رحیم ہے... میں تجھ سے تیری رحمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں جو تیرے غضب پر غالب ہے، مجھے آخرت میں رسوا نہ کرنا، مجھے اس عالم میں جنت عطا فرمانا۔"

ان چاروں میں پہلے نوجوان حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں، یہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ حضرت زبیر بن العوام عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، اللہ کے رسول کی طرف سے جن دس صحابہ کو جنت کی بشارت ملی، ان میں سے ایک ہیں۔

دوسرے نوجوان حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے، یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی... تیسرے نوجوان عبدالملک بن مروان تھے اور چوتھے نوجوان حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند... انہوں نے اپنی دعا میں آخرت کی بھلائی مانگی...

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کی سگی بہن تھیں۔ آپ نبوت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، اس وقت آپ چھ سال کے تھے۔ والد کے اسلام قبول کرنے پر یہ خود بخود اسلام کے دامن میں آ گئے۔ ان کی پرورش خالص اسلامی ماحول میں ہوئی۔

نبوت کے 13 ویں سال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بال بچوں کے

ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اس طرح حضرت عبداللہ بن عمر بھی مدینہ پہنچ گئے... اس وقت یہ گیارہ سال کے تھے۔

پھر غزوات کا آغاز ہوا۔ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اجازت مانگی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ سال سے کم عمر لڑکوں کو جنگ کی اجازت نہ فرمائی۔ اس لیے غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ غزوہ احد میں بھی چونکہ عمر چودہ سال تھی، اس لیے اس میں بھی حصہ نہ لے سکے۔

سب سے پہلے انہوں نے غزوہ خندق میں حصہ لیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ اس طرح یہ ان صحابہ میں شامل ہیں، جنہیں اللہ نے اپنی رضا کی خوش خبری سنائی۔

بیعت رضوان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے غزوہ خیبر، حنین، طائف اور تبوک میں حصہ لیا۔

فتح مکہ کے وقت آپ بیس سال کے ہو چکے تھے۔ اس موقعے پر وہ ایک منہ زور گھوڑے پر سوار تھے... ان کے جسم پر ایک چھوٹی سی چادر اور ہاتھ میں ایک بھاری نیزہ تھا۔ ایک جگہ گھوڑے سے اتر کر اس کے لیے گھاس کاٹنے لگے، ایسے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑی۔ آپ نے تعریف کے انداز میں فرمایا:

''یہ عبداللہ ہے، عبداللہ۔''

اس کے بعد یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مکے میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حضور کے ساتھ سوار تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ

اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ چل رہے تھے۔ خانہ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر چابی منگائی گئی۔ کعبے کا دروازہ کھول کر تینوں ایک ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ ان کے بعد سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے موقعے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ 11 ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت اس قدر غمگین ہوئے کہ پھر زندگی میں نہ کبھی کوئی مکان بنایا، نہ باغ لگایا۔ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آتی، رونے لگتے...

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ جہاد میں شرکت نہ کر سکے... لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ نے ایران، شام اور مصر کی فتوحات میں پوری طرح حصہ لیا اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ والد امیر المومنین تھے، لیکن یہ ایک عام مجاہد کی حیثیت سے لشکر اسلام میں شریک رہے، کبھی عہدے کی خواہش نہ کی۔

23 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ ابولولو یہودی نے خنجر کے وار کیے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا تھا، لیکن خاص طور پر یہ ہدایت فرمائی:

''عبداللہ کو خلیفہ نہ بنایا جائے البتہ خلیفہ کے انتخاب میں ان سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔''

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ چن لیے گئے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا، لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔

27ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افریقہ پر حملہ کرنے کے لیے اسلامی لشکر روانہ فرمایا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس میں شامل ہو گئے اور جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔

30ہجری میں خراسان اور طبرستان کے معرکوں میں بھی حصہ لیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں جب ان کے خلاف سازش ہوئی، فساد برپا کرنے والوں نے جب فتنہ بپا کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گوشہ نشین ہو گئے، کیونکہ انہیں مسلمانوں کا ایک دوسرے سے لڑنا کسی صورت گوارا نہیں تھا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس شرط پر بیعت کی کہ وہ خانہ جنگی میں شریک نہیں ہوں گے، چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی آپس کی جنگ میں حصہ نہ لیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی... حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا، لیکن انہوں نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔

اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تاکہ امت کے اختلافات سے الگ رہیں۔

حجاج بن یوسف کے بارے میں آپ کو معلوم ہی ہے کہ کس قدر ظالم تھا... وہ ایک مرتبہ خطبہ دے رہا تھا، اپنے خطبے میں اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کی ہے (یعنی ردّ و بدل کیا ہے،) مجمعے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے، یہ الفاظ سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور گرج کر بولے:

''تو جھوٹ بولتا ہے... نہ ابن زبیر میں اتنی طاقت ہے اور نہ تجھ میں کہ اللہ کے کلام کو

بدل سکو۔"

حجاج کو حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ ڈانٹ سخت گراں گزری، لیکن اعلانیہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرسکا... البتہ ایک شامی کو ان پر مقرر کر دیا اور اسے حکم دیا کہ حج کے موقعے پر وہ اپنے نیزے کی زہر آلود نوک ان کے پاؤں میں چبھو دے....

اس شامی نے ایسا ہی کیا۔ زہر آلود نیزہ ان کے پاؤں میں چبھو دیا۔ زہر ان کے بدن میں اثر کر گیا اور آپ اسی زہر کے اثر سے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اس سلسلے میں ایک دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب حجاج ابن یوسف، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے مکہ معظمہ آیا تو اس نے خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسوائے۔ اس کی اس حرکت پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بہت ناراض ہوئے اور اسے سخت برا بھلا کہا۔ اس پر وہ غضب ناک ہوا۔ اس کے اشارے پر ایک شامی نے آپ کو اپنے زہر آلود نیزے سے زخمی کر دیا۔ زہر ان کے جسم میں اثر کر گیا اور آپ بستر پر لیٹ گئے، تب حجاج ان کی بیمار پرسی کے لیے آیا اور بولا:

"اگر مجھے پتا چل جاتا کہ یہ کس کی حرکت ہے تو میں اس کا سر اڑا دیتا۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بولے:

"یہ سب کچھ تمہارا ہی کیا دھرا ہے... نہ تم حرم میں ہتھیار لانے کی اجازت دیتے، نہ یہ واقعہ پیش آتا۔"

ایک دن حجاج خطبہ دے رہا تھا۔ اس نے خطبہ بہت طویل کر دیا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''سورج تیرا انتظار نہیں کر سکتا۔''

ان کا یہ جملہ سن کر حجاج ان کا دشمن ہو گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس وقت کے حکمران عبدالملک نے فرمان جاری کیا کہ حج کے تمام ارکان حضرت عبداللہ ابن عمر کی اقتدا میں ادا کیے جائیں۔ حجاج کو یہ حکم بہت ناگوار گزرا، لیکن حکم خلیفہ کا تھا۔ اس لیے مجبور تھا، اس نے اپنے دل کی بھڑاس اس طرح نکالی کہ ایک شامی کے ذریعے آپ کو زہر آلود نیزے سے زخمی کرا دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں وفات پائیں، لیکن اللہ نے ان کی موت مکہ مکرمہ میں لکھی تھی۔ وفات سے پہلے اپنے بیٹے حضرت سالم رحمہ اللہ کو وصیت فرمائی:

''میں یہاں وفات پا رہا ہوں، تم مجھے حدودِ حرم کے باہر دفن کرنا۔''

انہوں نے والد کی وصیت پر عمل کرنا چاہا، لیکن حجاج نے دخل اندازی کی اور ان کی نماز جنازہ پڑھا کر مہاجرین کے قبرستان میں دفن کرا دیا۔

علم اور فضل کے اعتبار سے آپ کا شمار بڑے صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ دینی علوم کا سمندر تھے۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کا علم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ پھر آپ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے عظیم شخص سے علم حاصل کیا۔ ان کے علم پر بڑے بڑے صحابہ رشک کرتے تھے۔ آپ کو قرآن اور اس کی تفسیر سے بہت تعلق تھا۔ اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ قرآن کی سورتوں میں غور و فکر کرتے گزارتے تھے۔ صرف سورہ بقرہ پر غور و فکر کرتے چودہ سال خرچ کر ڈالے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انہیں اکثر آپ کی

علمی مجلسوں میں شریک ہونے کی سعادت حاصل رہی۔ اس طرح قرآن کریم کو سمجھنے کی صلاحیت آپ کو ملی۔

آپ قریباً ایک ہزار چھ سو احادیث کے راوی ہیں۔ حدیث کے حافظوں میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، ان کی روایت کی گئی احادیث کو بہت زیادہ مستند مانا جاتا ہے۔

اسلامی شریعت کا دارومدار فقہ پر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو فقہ میں بہت مہارت حاصل تھی، اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ تعلیم حاصل کرنے اور تعلیم دینے میں بسر کیا۔

علما نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک موٹی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ فقہ مالکی کا دارومدار حضرت عبداللہ بن عمر ہی کے فتاویٰ پر ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں، عبداللہ بن عمر آئمہ دین میں سے تھے۔ آپ فقیہہ الامت کے نام سے مشہور تھے۔ پھر بھی فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو پوچھنے والے سے بے دھڑک کہہ دیتے تھے:

''مجھے معلوم نہیں۔''

آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تحاشہ محبت تھی۔ آپ کا وصال ہوا تو اس قدر غمزدہ ہوئے کہ پھر زندگی بھر نہ کوئی مکان بنایا، نہ باغ لگایا، جب بھی زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا، زاروقطار رونے لگتے۔ غزوات کے مقامات سے گزرتے، یعنی احد، بدر یا خیبر وغیرہ سے تو آنکھوں کے آگے سارا نقشہ آجاتا، کوئی آپ کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتا تو بے قابو ہو کر رونے لگتے۔ عشق کی یہ انتہا دیکھ کر بعض لوگ انہیں

مجنوں خیال کرنے لگے تھے۔

آپ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جن درختوں کے نیچے کبھی آپ نے آرام فرمایا تھا، یہ ان درختوں کو پانی دیا کرتے تھے تا کہ وہ خشک نہ ہو جائیں، خود بھی ان کے سائے میں بیٹھتے ۔کسی سفر سے لوٹتے تو روضہ نبوی پر حاضر ہوتے اور سلام کہتے۔ مدینہ منورہ سے اس قدر محبت تھی کہ کسی صورت اس سے جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ایک بار ایک غلام نے تنگ دستی کی وجہ سے مدینہ منورہ چھوڑنے کی اجازت مانگی۔آپ نے فرمایا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں صبر کرے گا، قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا۔''

آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد سے بھی بہت زیادہ محبت تھی۔لوگوں کو اکثر ان کے فضائل بتاتے تھے۔

حج کے مناسک کے آپ خاص طور پر ماہر تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں کا لحاظ رکھتے۔ یہاں تک کہ آپ نے جہاں جہاں طہارت کی تھی، وہاں یہ بھی طہارت کرتے، حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے جو حضور نے اختیار کیا تھا۔

آپ میں آخرت کا خوف بھی بہت زیادہ تھا۔ایک دن یہ آیت سنی:

''اے رسول! آخرت کے اس دن کیا حاصل ہوگا، جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔''

آیت سنتے ہی بے اختیار رونے لگے۔ یہاں تک کہ ڈاڑھی اور گریبان آنسوؤں سے بھیگ گئے۔

آپ 15 سال کی عمر سے لے کر بڑھاپے تک جہاد میں حصہ لیتے رہے، راتوں کو جاگنے والے تھے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔

حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جسے دنیا کی دلفریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا، لیکن عبداللہ بن عمر بس ایک ایسے ہیں، جنہیں دینا اپنی طرف قطعاً مائل نہ کر سکی... اور جو شخص کسی ایسے صحابی کو دیکھنا چاہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کوئی تبدیلی نہیں آئی، تو وہ ابن عمر کو دیکھ لے۔''

ایک بار ان کی خدمت میں کوئی شخص ہاضمے کی کوئی دوا لایا۔ آپ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟

اس نے بتایا:

''کھانا جلد ہضم کرنے کی دوا ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں نے تو مہینوں سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔''

ایک مرتبہ آپ نے کسی سے پانی مانگا... اس نے شیشے کے پیالے میں پانی پیش کیا۔ آپ نے پینے سے انکار کر دیا۔ پھر لکڑی کے پیالے میں پانی پیش کیا۔ آپ نے پی لیا۔ وضو کے لیے طشت میں پانی لایا گیا، آپ نے اس سے وضو کرنے سے انکار کر دیا... اور لوٹے سے وضو کیا۔

میمون بن مہران رحمہ اللہ ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کے کل اثاثے کی قیمت کا اندازہ لگایا، وہ سو درہم سے زیادہ سامان نہ تھا۔ اس میں بستر بھی

شامل تھا۔

دنیا کئی بار آپ کے پاس پورے ساز و سامان کے ساتھ آئی، لیکن آپ نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ کئی بار انہیں ایسے موقعے ملے کہ چاہتے تو بڑے سے بڑا عہدہ قبول کر سکتے تھے، لیکن آپ نے آخرت کو ترجیح دی۔

اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اونٹنی کو بٹھانے میں بھی دوسروں سے مدد نہ لیتے۔ لباس بہت سادہ ہوتا۔ البتہ کبھی کبھار عمدہ لباس بھی پہن لیتے تھے، وہ بھی اس لیے کہ ایک دو مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔

آپ کا دستر خوان بہت وسیع ہوتا تھا۔ بعض اوقات ایک برتن میں کھانا رکھ دیا جاتا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اس کے گرد بیٹھ کر کھاتے۔ انہیں ہر وہ چیز ناپسند تھی جس میں کسی قسم کا دکھاوا ہوتا۔ یہاں تک کہ خوشبو بھی صرف جمعے کے دن لگاتے تھے۔

دنیاوی لحاظ سے آپ خوش حال تھے، لیکن اپنے مال کو اللہ کے راستے میں لٹاتے رہتے تھے۔ بہت سخی تھے۔ کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے۔ بیسیوں غریب مسکین ان کے ہاں کھانا کھاتے تھے۔ جب آپ کھانے کے لیے بیٹھتے تو اپنے ساتھ کسی مسکین کو ضرور بٹھاتے، بعض اوقات اپنے حصے کا کھانا غریبوں کو دے دیتے اور خود بھوکے رہتے۔ ایک بار مچھلی کی خواہش ہوئی۔

جب مچھلی تیار کر کے سامنے رکھی گئی تو ایک سائل نے دروازے پر دستک دی۔ آپ نے مچھلی اٹھا کر اسے دے دی...

ایک مرتبہ بیمار ہوئے، انگور کھانے کی خواہش محسوس کی، ان کے لیے انگور تلاش کیے

گئے، بہت تلاش کے بعد اور دور سے انگور ملے۔ ابھی انگور ان کے سامنے رکھے ہی گئے تھے کہ ایک سائل آ گیا، انہوں نے گھر والوں سے کہا:

''انگور اسے دے دو۔''

گھر والوں نے کہا:

''آپ انگور کھا لیں، ہم اسے کچھ اور دے دیتے ہیں۔''

لیکن وہ نہ مانے اور کہا کہ انگور سائل کو دے دو۔ آخر انہیں سائل کو وہ انگور ہی دینا پڑے۔ گھر کا کوئی فرد فوراً سائل کے پیچھے گیا اور وہ انگور اس سے خرید کر لے آیا، تب وہ آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے اور آپ نے کھائے۔

ایک مرتبہ راستے میں ایک کھجور پڑی نظر آئی۔ اٹھا کر کھانے لگے تھے کہ ایک سائل پاس سے گزرا۔ انہوں نے وہ کھجور اسے دے دی۔

طبقات ابن سعد میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اور شاگرد نافع سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس ہزار درہم یا دینار آئے، وہ دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرنے لگے۔ یہاں تک کہ سب کے سب ختم کر دیے۔ تقسیم کر دینے کے بعد کچھ اور لوگ لینے کے لیے آئے تو دوسرے لوگوں سے قرض لے کر دیے...

خود کہیں جاتے تو روزہ رکھتے، کوئی مہمان آ جاتا تو مہمان کی موجودگی میں روزہ نہ رکھتے اور فرماتے:

''مہمان کی موجودگی میں نفلی روزہ رکھنا مناسب نہیں، فیاضی کے خلاف ہے۔''

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر دو دو تین تین ہزار کی رقمیں بھی ایک وقت

میں اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے۔ اگر کبھی کوئی غلام یا لونڈی بہت پسند آ جاتا یا کسی کو عبادت گزار پاتے تو اسے آزاد کر دیتے تھے۔ اس طرح انہوں نے اپنی زندگی میں ایک ہزار سے زیادہ غلام آزاد کیے۔

ایک بار حج کے سفر کے لیے آپ نے ایک اونٹنی خریدی۔ اس پر سوار ہوئے۔ اس کی چال بہت اچھی تھی، آپ کو پسند آئی۔ فوراً اس سے اتر آئے اور حکم دیا کہ سامان اس پر سے اتار لو اور اسے قربانی والی اونٹنیوں میں شامل کر دو یعنی پسندیدہ چیز اللہ کے راستے میں قربان کر دی۔

ایک بار مدینے کے ایک دیہات میں گئے، چند دوست ساتھ تھے۔ کھانے کے لیے دستر خوان بچھایا گیا تو ایک چرواہا ادھر آ نکلا۔ اس نے سلام کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کھانے کی دعوت دی۔ اس نے بتایا، میں روزے سے ہوں۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''اتنی گرمی میں روزے رکھتے ہو اور بکریاں بھی چراتے ہو، کیا یہ بکریاں ہمارے ہاتھ فروخت کرنا پسند کرو گے، ہم تمہیں نقد رقم دیں گے اور افطار کے لیے گوشت بھی دیں گے۔''

چرواہے نے کہا:

''یہ بکریاں میری نہیں، میرے آقا کی ہیں۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا امتحان لینے کے لیے کہا:

''تو تمہارا آقا کیا کر لے گا؟''

چرواہے نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''این اللہ! این اللہ۔''

یعنی اللہ کہاں ہے، اللہ کہاں ہے۔ یہ کہنے سے اس کا مطلب تھا، کیا اللہ دیکھ نہیں رہا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا یہ قول بہت پسند آیا۔ دیر تک کہتے رہے، این اللہ! این اللہ۔ پھر اس کے آقا سے ملے، آقا سے اس کی تمام بکریاں خریدیں، اس کی بھی قیمت ادا کر کے اسے آزاد کر دیا۔ بکریاں اسے دے دیں۔

ایک روز کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بدو ملا۔ آپ نے اسے سلام کیا، سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اسے دے دیا۔ ابن دینار آپ کے ساتھ تھے، انہوں نے کہا:

''اللہ آپ پر رحم فرمائے، یہ بدو تو معمولی چیز سے بھی خوش ہو جاتے ہیں، اسے گدھا اور عمامہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''اس کے والد میرے والد کے دوست تھے، میں نے اللہ کے رسول سے سنا ہے، سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے دوستوں سے اچھا سلوک ہے۔''

اپنا کھانا اکثر مسکینوں کو کھلا دیتے تھے، اس لیے بہت کمزور ہو گئے تھے۔ کوئی غریب مسکین راستے میں مل جاتا تو اسے اپنے ساتھ گھر لے آتے اور کھانا کھلا کر جانے دیتے۔ کسی کو کوئی چیز دے دیتے تو پھر اس سے واپس لینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ انہوں نے حضرت عطا سے ایک بار دو ہزار درہم قرض لیے، قرض چکایا تو بھول میں دو ہزار زیادہ ادا کر دیے، انہوں نے دو ہزار درہم واپس کرنا چاہے تو فرمایا:

''اب یہ تم ہی رکھو، یہ تمہارے ہیں۔''

اتنے بلند مرتبے کے باوجود، ان میں عاجزی بہت تھی، سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔ امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ بازاروں میں اس لیے جاتے تھے کہ لوگوں کو سلام کر سکیں۔ اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے۔ اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ اپنی تعریف سننا انہیں پسند نہ تھا۔ ایک روز کسی نے آپ کے سامنے تعریف کی۔ آپ نے اس کے منہ میں مٹی جھونک ماری اور بولے:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالا کرو۔''

کسی سے وضو کرنے میں مدد نہیں لیتے تھے۔ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے۔ کسی نے انہیں بہت قیمتی کپڑے بطور ہدیہ پیش کیے، آپ نے فرمایا، ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں تھا، لیکن ہم غرور کے خوف سے ان کو نہیں پہن سکتے۔ غلاموں سے ان کا سلوک بہت اچھا تھا۔ ان پر بہت مہربانی فرماتے۔ دستر خوان پر انہیں ساتھ بٹھاتے، انہیں کھانا کھلاتے اور اپنے اہل وعیال کی طرح ان کے کھانے کا خیال رکھتے۔ ایک مرتبہ ان لوگوں کو کھانا کھلانے میں دیر ہوگئی، گھر والوں پر ناراض ہوئے اور فرمایا، انہیں فوراً کھانا دو۔ پھر فرمایا:

''انسان کے لیے یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ اپنے غلاموں کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھے۔'' کسی دوسرے شخص کا غلام کسی کام سے ان کے پاس آجاتا تو اسے بھی دستر خوان پر بٹھا لیتے۔ اپنے غلاموں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ جب تم مجھے خط لکھو تو اس میں میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھو، حالانکہ اس وقت کے رواج کے مطابق آقا کا نام پہلے لکھا جاتا تھا۔ غلاموں کو کبھی جھڑکتے نہیں تھے، کبھی اتفاق سے کسی غلام پر سختی کر بیٹھتے تو کفارے کے طور پر

اسے آزاد کر دیتے۔

ان کی ان عادات کی وجہ سے لوگ بھی ان سے ٹوٹ کر محبت کرنے لگے تھے۔ گھر سے باہر نکلتے تو قدم قدم پر لوگ انہیں سلام کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہدیے قبول فرما لیتے تھے، اسی نسبت سے آپ بھی ہدیے لے لیتے تھے لیکن کسی کے سامنے کبھی ہاتھ نہیں پھیلایا۔ فرمایا کرتے تھے:

''میں کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، اللہ تعالیٰ جو دیتے ہیں، اس کو لوٹاتا نہیں۔''

ایک دن ان کی پھوپھی نے انہیں دو سو دینار بھیجے۔ انہوں نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیے اور انہیں دعا دی۔ ایک صاحب نے انہیں لکھا، آپ کو جو ضرورت ہو، مجھے لکھ بھیجا کریں، اس کے جواب میں فرمایا:

''آپ اپنے قریبی رشتے داروں سے شروع کریں اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

مطلب یہ کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

مال و دولت ان کے نزدیک بالکل بے حقیقت چیز تھی۔ اگر معلوم ہو جاتا کہ کسی نے کوئی ہدیہ کسی ذاتی غرض سے بھیجا ہے تو فوراً واپس کر دیتے۔ صدقے کی چیز بھی وصول نہیں کرتے تھے۔ آپ کے اقوال بہت قیمتی ہیں۔ ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

- علم تلاش کرو، چاہے وہ دشمن کے پاس ہو۔
- دوسروں کے عیب تلاش کرنے سے پہلے اپنے عیبوں پر نظر ڈالو۔
- جس طرح میٹھا شربت پی جاتے ہو، اسی طرح غصہ پی جایا کرو۔

O اخلاق خراب ہیں تو ایمان بھی خراب ہوگا۔

O عبادت میں لذت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تنہائی میں کرو۔

O میں پہلے خود حدیث پر عمل کرتا ہوں، پھر دوسروں کو سناتا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے بارے میں فرمایا کرتی تھیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی کیفیت کا عبداللہ بن عمر سے زیادہ کوئی پابند نہیں۔''

حضرت حذیفہ بن یمان فرمایا کرتے تھے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر شخص بدل گیا مگر عمر اور ان کے بیٹے عبداللہ نہیں بدلے۔''

حضرت سعید بن المسیب فرمایا کرتے تھے:

''میں کسی کے جنتی ہونے کی گواہی دے سکتا ہوں تو وہ ابن عمر ہیں۔''

میمون بن مہران کہتے ہیں:

''میں نے ابن عمر سے بڑھ کر کوئی پرہیز گار نہیں دیکھا۔''

اللہ کی ان پر ہزار ہار حمتیں ہوں، آمین۔

ایک سو کے برابر

مکے کی فتح کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی طرف روانہ ہوئے، ایسے میں بنو کلاب کے مجاہدین کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا:

''ہم بھی آپ کے ساتھ بنو ہوازن کے خلاف لڑیں گے، ہمیں بھی جہاد کی اجازت دیجیے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان جفاکش بدویوں کا جذبہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا:

''تمہاری جماعت میں کُل کتنے آدمی ہیں۔''

جواب میں انہوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہم نو سو ہیں۔''

یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں ایک ایسا شہ سوار دیتا ہوں جو تمہاری تعداد کو ایک ہزار کے برابر کر دے اور تمہاری قیادت بھی کرے۔''

آپ کا مطلب یہ تھا کہ وہ شہ سوار ایک سو آدمیوں کے برابر ہو گا۔

انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

''ضرور کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول۔''

آپ نے ایک طاقت ور جسم والے صحابی کو آگے بڑھنے کا اشارہ فرمایا۔ وہ فوراً آگے بڑھے، آپ نے بنو کلاب کا جھنڈا انہیں عطا فرمایا اور بنو کلاب سے فرمایا:

''اب تم پورے ہزار کے برابر ہو۔ جاؤ اپنے امیر کی اطاعت کرو۔''

یہ صاحب جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ایک سو کے برابر قرار دیا، حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ تاریخ میں یہ سیافِ رسول مشہور ہوئے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمشیر بردار محافظ۔

حضرت ضحاک بن سفیان کا شمار اپنے دور کے نامور بہادروں اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جاں نثاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابوسعد یا ابوسعید تھی۔ بنو کلاب سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ مشہور نجدی قبیلے بنو عامر کی ایک شاخ تھی۔

یہ تلوار اٹھائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی غرض سے آپ کے قریب کھڑے رہتے تھے۔ اسی لیے انہیں سیافِ رسول کا خطاب ملا۔ آج کے الفاظ میں آپ باڈی گارڈ کہہ لیں۔

زمانہ جاہلیت میں یہ اپنے قبیلے کے معزز آدمی تھے۔ شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ خیال ہے کہ آپ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ایمان لے آئے تھے۔ مسلمان ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے قبیلے کا امیر مقرر فرمایا۔ آپ نے انہیں بنو کلاب کے صدقات وصول کرنے کی ذمہ داری بھی سونپی۔

ایک قبیلے بنو قرطا نے مسلمانوں کے خلاف سرگرمی دکھائی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضحاک کو ان کی طرف روانہ فرمایا۔ قبیلہ قرطا، قبیلہ بنو بکر کی ایک شاخ تھا۔ حضرت ضحاک نے ان پر حملہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔

غزوہ حنین میں بنو سلیم کے مجاہدین کی کمان حضرت ضحاک کے ہاتھ میں تھی۔

ربیع الاول 9 ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضحاک کو خود ان کے قبیلے بنو کلاب کی طرف روانہ فرمایا، تاکہ اس قبیلے کے مشرکین کو سبق سکھایا جاسکے۔ آپ نے اس مہم کی قیادت حضرت ضحاک ہی کے سپرد فرمائی۔ چنانچہ اسی بنیاد پر یہ مہم سَرِیّہءِ ضحاک بن سفیان کے نام سے مشہور ہوئی۔ مشرکین نے مقابلہ کیا، لیکن حضرت ضحاک کے مقابلے میں ان کی ایک نہ چلی اور آخر ہتھیار ڈال دیے۔

11 ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو سارے عرب میں فتنہ وفساد کی لہر دوڑ گئی، قبائل کے قبائل مرتد ہو گئے، اسلام چھوڑ بیٹھے۔ کسی نے کہا، ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے تو کسی نے مسیلمہ کو نبی مان لیا۔ قبیلہ بنو سلیم بھی اس رو میں بہہ کر مرتد ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف حضرت ضحاک بن سفیان کو روانہ کیا۔ حضرت ضحاک جب ان کے مقابلے میں پہنچے تو دیکھا، مرتد بہت بڑی تعداد میں تھے۔ یہ ان سے بہادری سے لڑے۔ زبردست جنگ ہوئی... اس لڑائی میں حضرت ضحاک مرتدین کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، لیکن ان کا خون رائیگاں نہ گیا۔ نبوت کے جھوٹے دعوے دار مسیلمہ بن خویلد اسدی کے خلاف حضرت خالد بن ولید کو روانہ کیا گیا اور انہوں نے اسے شکست فاش دی۔ جن مرتدوں نے مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے، انہیں قتل کر دیا گیا۔

حضرت ضحاک بن سفیان بنیادی طور پر ایک مجاہد تھے۔ اس لیے انہیں احادیث بیان کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ ان سے صرف چار احادیث روایت کی گئی ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ضحاک کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔ آمین۔

سیستان کا مجاہد

فتح مکہ کے موقعے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرمایا تو قریش میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کا تو خیال تھا کہ آج گن گن کر بدلے لیے جائیں گے، چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر سچے دل سے مسلمان ہونے لگے۔

ایسے میں ایک نوجوان آپ کے سامنے آئے اور بولے:

''اللہ کے رسول! میں آپ کے چچا کا بیٹا عبدالکعبہ ہوں۔''

جواب میں آپ نے شفقت سے بھرپور لہجے میں ارشاد فرمایا:

''نہیں! آج سے تم عبدالرحمٰن ہو۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنا نیا نام پانے والے یہ صحابی سمرہ بن حبیب کے بیٹے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب عبد شمس سے جاملتا ہے۔ عبد شمس اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم آپس میں سگے بھائی تھے۔ اسی نسبت سے انہوں نے خود کو آپ کا چچازاد بھائی کہا تھا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، اس وقت یہ چھوٹے بچے تھے، اس لیے آپ پر ہونے والے مظالم میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا۔

فتح مکہ کے وقت یہ بھرپور نوجوان تھے۔ انہوں نے غزوہ تبوک میں حصہ لیا۔ نبی پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی تھی:

''عبدالرحمٰن کسی عہدے کے خود امیدوار نہ بننا، اگر تم نے اپنی خواہش سے کوئی عہدہ قبول کیا تو اس کی برائی اور بھلائی کا بوجھ تنہا تمہارے سر ہوگا، ہاں! خواہش کے بغیر کوئی عہدہ ملے تو اور بات ہے، اس کی ذمے داری کو نبھانے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں گے۔''

عبدالرحمٰن بن سمرہ نے اس نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھا اور کبھی کسی عہدے کی خواہش نہیں کی، البتہ کوئی عہدہ انہیں پیش کیا گیا تو ضرور انہوں نے قبول کیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ عظیم سالار کی حیثیت سے ابھرے۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ایران میں فتوحات کرتے ہوئے مکران اور سیستان تک پہنچ گئے تھے، ان علاقوں کی سرحدیں پاکستان کے موجودہ علاقے بلوچستان سے ملتی تھیں۔ اس زمانے میں بلوچستان نام کا کوئی صوبہ نہیں تھا۔

سیستان ایران کا اہم ترین صوبہ تھا، وہاں کے باشندے بہت جنگ جو تھے، سیستان اگرچہ مسلمانوں نے فتح کرلیا تھا، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ان لوگوں نے پھر سر اٹھایا اور بغاوت کی اور اپنا علاقہ مسلمانوں کے قبضے سے چھڑا لیا۔

ان حالات میں حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہوئے، انہوں نے سیستان کی طرف توجہ دی۔ بصرے کے والی عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سیستان، کابل، مکران اور کرمان وغیرہ کو باغیوں سے چھڑایا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے سیستان کی مہم پر ربیع بن زیاد کو مامور کیا۔ انہوں نے 30 ہجری میں ایک زبردست حملہ کیا اور سیستان پر بھی اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ ربیع بن زیاد دو سال تک وہاں رہے، اس کے بعد اپنا نائب مقرر کر کے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی سیستانی پھر اٹھ کھڑے ہوئے، ربیع کے نائب کو نکال باہر کیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ عبداللہ بن عامر کو خبر ہوئی تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو سیستان کی فتح کے لیے مقرر کیا، ساتھ ہی انہیں لکھ دیا کہ آپ ہی سیستان کے امیر ہوں گے۔ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں سیستان کی مہم سونپی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ 33 ہجری میں قریباً آٹھ ہزار جانبازوں کا ایک مضبوط لشکر لے کر سیستان کے صدر مقام زرنج کی طرف بڑھے۔ اس لشکر میں خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ جیسے لوگ بھی شامل تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن دشوار گزار راستہ طے کرتے ہوئے طوفانی انداز میں زرنج پہنچے۔ سیستان کے حاکم پرویز نے شہر کے دروازے بند کر لیے، پہلے مسلمانوں سے مقابلہ کرتا رہا، لیکن آخر اس نے جان لیا کہ اس لشکر کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں، چنانچہ اس نے بیس لاکھ درہم اور دو ہزار غلام دے کر مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ان جیسے دوسرے عالم لوگ آئے تھے۔ انہوں نے وہاں اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ ان کی کوششوں سے سیستانیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہوگئی۔ اس کے باوجود ان لوگوں کو جب

بھی موقع ملتا، یہ پھر بغاوت کر دیتے تھے۔

زرنج فتح کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے زرنج اور کش کے درمیان تمام علاقوں کو بھی فتح کرلیا۔ عرب مورخوں کا بیان ہے کہ اب یہ تمام علاقے پاکستانی بلوچستان میں شامل ہیں۔ اس زمانے میں یہ علاقہ ہندوستان میں شامل تھا بلکہ مکران اور سیستان بھی سندھ سے ملے ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کی سرزمین پر یہ پہلا حملہ خشکی کی طرف سے ہوا اور یہی پہلا علاقہ ہندوستان ہے جو مسلمانوں کے قبضے میں آیا، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں فتح ہوا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ ہند کے بت کدے میں سب سے پہلے اذان دینے والے مجاہدین کے سالار تھے۔

ان علاقوں کی فتح کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رخج کی طرف بڑھے اور زبردست حملہ کرتے ہوئے اہم شہر دادن تک پہنچ گئے۔ اس شہر کے لوگ بھاگ کر اپنے بت خانے میں گھس گئے۔ یہ مندر ایک قلعے جیسا تھا اور پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا تھا۔ اس میں جو بت نصب تھا، اس کا نام زور تھا۔ اسی کے نام کی نسبت سے پہاڑ کا نام بھی زور تھا، یعنی جبل زور یا کوہ زور کہتے تھے۔ یہ مندر بت پرستوں کے نزدیک بہت اہم تھا۔ ہندو دور دور سے اس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ قیمتی چڑھاوے اس پر چڑھاتے تھے۔ ان چڑھاووں کی وجہ سے مندر کے پجاری اور دوسرے لوگ بہت مال دار تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن نے مندر کا محاصرہ کرلیا۔ آخر ہندو چند دن کے اندر ہمت ہار بیٹھے اور ایک بڑی رقم دے کر صلح کرلی، یہ رقم کس قدر بڑی تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا

ہے کہ مرکز کا حصہ یعنی پانچواں حصہ نکال کر باقی رقم کو پورے لشکر میں تقسیم کیا گیا تو ہر ایک کے حصے میں چار چار ہزار درہم آئے۔

مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ شہر کی فتح کے بعد عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سیدھے اس بت خانے میں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں خالص سونے کا ایک بہت بڑا بت نصب ہے۔ اس کی آنکھوں میں نہایت قیمتی ہیرے جڑے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے نیزے کی نوک سے ان ہیروں کو نکالا، پھر اس بت کے ہاتھ توڑ دیے۔ وہاں کا حاکم اور دوسرے ہندو یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''لوگو! یہ یاقوت، جواہرات اور بت کے سونے کے ہاتھ اٹھالو، مجھے زر و جواہرات کی ضرورت نہیں۔ یہ کام تو میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ بت کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے ان کی عبادت کرنا اپنی زندگی کو برباد کرنا ہے۔ اے لوگو! عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ کی ذات ہے، وہی ہر چیز کا مالک ہے اور وہی ہر ایک کے نفع اور نقصان پر قادر ہے۔ اگر تم اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لے آؤ تو امید ہے، اللہ تمہارے سینے کھول دے گا اور تم دین اسلام کو اچھی طرح سمجھ جاؤ گے۔''

اس بت کو توڑنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بست اور زابل کی طرف پیش قدمی کی۔ اپنی شجاعت اور تدبیر کی بدولت بہت جلد ان کو بھی فتح کرلیا۔ پھر زرنج لوٹے اور اس کے نظم و نسق میں مصروف ہو گئے۔ ایسے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا الم ناک واقعہ پیش یا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ نے زرنج میں اپنا قائم مقام

امیر بن احمر کو مقرر کیا اور خود بصرے کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عبدالرحمن بالکل گوشہ نشین رہے۔ 41 ہجری میں تمام اسلام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اقتدار قائم ہو گیا۔ انہوں نے سب سے پہلے ان علاقوں کی طرف توجہ دی جو مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے باغی ہو گئے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بصرے کا والی مقرر کیا گیا۔ عبداللہ بن عامر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں عبداللہ بن سمرہ کے کارنامے دیکھ چکے تھے۔ اس لیے انہیں بلا بھیجا۔ انہیں اپنی طرف سے سیستان کا والی مقرر کیا اور باغیوں سے نمٹنے کے لیے روانہ کیا۔

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ تازہ جوش اور ولولے سے سیستان کی طرف بڑھے اور علاقے پر علاقہ فتح کرتے کابل تک پہنچ گئے۔ کابل کے لوگ بہت سخت تھے۔ انہوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت عبدالرحمن نے بھی محاصرہ سخت کر دیا۔ ایک رات فصیل پر منجنیقوں سے ایسا زبردست پتھراؤ کیا کہ قلعے کی ایک دیوار میں شگاف ہو گیا۔ عبدالرحمن نے رات کے اندھیرے میں شہر میں داخل ہونا مناسب خیال نہ کیا۔

صبح ہوئی تو کابل کے لوگ جوش و خروش کے عالم میں باہر نکل آئے اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمن کو کابلیوں سے اس کی بالکل امید نہیں تھی۔ شروع میں انہیں سخت مشکل پیش آئی۔ پھر انہوں نے اپنی فوج کے چیدہ چیدہ دستوں کو ساتھ لے کر جوابی حملہ کیا۔ یہ حملہ اس قدر زوردار تھا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

کابلیوں نے ہتھیار ڈال دیے، انہوں نے امان طلب کی۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ نے انہیں امان دے دی۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے رزان فتح کیا، آگے بڑھے اور طخارستان کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ سب سے پہلے ان کے راستے میں 'خشک' شہر آیا۔ اس شہر کے باشندوں میں لڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔

اب عبدالرحمٰن رخج پہنچے۔ رخج کے لوگوں نے جنگ کی زبردست تیاری کی تھی، مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے، لیکن شکست کھائی۔ اس کے بعد غزنی فتح کیا۔ اس دوران کابل سے پھر بغاوت کی خبر ملی، یہ پھر وہاں پہنچے اور انہیں زبردست شکست دی۔ اس سے پہلے قندھار پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ یہ تمام واقعات 43 تا 44 ہجری میں پیش آئے یعنی قریب قریب ایک سال کے عرصے میں یہ تمام علاقے فتح ہوئے۔ ایک سخت جنگ جو قوم کو شکست پر شکست دینا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس طرح حضرت عبدالرحمٰن کا شمار دنیا کے بہترین جرنیلوں میں ہوتا ہے۔

انہوں نے سیستان پر حکمرانی بھی عجیب انداز سے کی۔ ان کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ وہ ایک درویش صفت آدمی تھے اور معمولی سے معمولی کام کرنے سے بھی نہیں شرماتے تھے۔ جب زرنج کی گلیاں بارش کی وجہ سے کیچڑ سے بھر جاتیں تو دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ بھی جھاڑو لے کر گلیاں صاف کرتے پھرتے۔

آپ نے 50 ہجری میں وفات پائی۔ اللہ کی ان پر ہزار ہار حمتیں ہوں۔

طائف کا مجاہد

ایرانیوں کو مسلمانوں نے بویب کے مقام پر 14 ہجری میں عبرت ناک شکست دی۔ اس شکست نے ایران کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، وہ سب مل کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ عراقِ عرب کے جن علاقوں پر مسلمان قبضہ کر چکے تھے، وہاں بھی انہوں نے بغاوت کردی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان حالات کی اطلاع ملی۔ انہوں نے عراقِ عرب کی فوجوں کے سپہ سالار حضرت مثنٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ ساری فوجوں کو سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف لے آؤ۔ ساتھ ہی آپ نے سارے عرب میں جہاد کا اعلان کرادیا۔ جلد ہی جوش میں بھرے مسلمانوں کا گویا سیلاب اُمڈ آیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو عراقِ عرب کی مہم کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔ انہیں مناسب ہدایات دیں، اس کے بعد مدینہ منورہ سے رخصت فرمایا۔

شراف کے مقام پر حضرت مثنٰی کی فوج بھی ان کے لشکر میں شامل ہوگئی۔ اس وقت تک حضرت مثنٰی وفات پا چکے تھے۔ انہیں جسر یعنی پل کی لڑائی میں شدید زخم آئے تھے۔ انہی زخموں سے ان کی موت واقع ہوئی تھی۔

اس مقام پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا:

''شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ میں قیام کرو۔ قادسیہ ایران کا دروازہ ہے۔''

یہ خط ملتے ہی حضرت سعد شراف سے روانہ ہوئے اور قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔

دوسری طرف ایرانی حکمران یزدجرد نے ایک نامور ایرانی جرنیل رستم کو ایک لشکر جرار دے کر مسلمانوں سے جنگ کے لیے روانہ کیا۔ رستم ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس، ساٹھ ہزار جنگ جوؤں کے ساتھ مدائن سے روانہ ہوا۔ پہلے اس نے ساباط کی فوجی چھاؤنی میں پڑاؤ ڈالا۔ وہاں ٹھہر کر اس نے ہر طرف اپنے آدمی دوڑا دیے تا کہ ایرانی زیادہ سے زیادہ تعداد میں چاروں طرف سے آ کر اس کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔ اس طرح ایرانیوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ ادھر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں، ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ہدایت بھیجی کہ ایک وفد یزدجرد کے پاس بھیجا جائے، اسے اسلام کی دعوت دی جائے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے 14 رکنی وفد یزدجرد کی طرف روانہ کیا۔ ان حضرات نے یزدجرد سے ملاقات کی۔ بہت اچھے انداز میں تقاریر کیں، لیکن یزدجرد آپے سے باہر ہو گیا اور انہیں اپنے دربار سے نکال باہر کیا، بلکہ ان حضرات کو ذلیل کرنے کی نیت سے اس نے حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کے سر پر مٹی کی ایک ٹوکری رکھوائی جائے اور اسی حالت میں یہ یہاں سے واپس جائیں۔ ساتھ ہی اس نے حقارت بھرے انداز میں کہا:

''تم ہمارا ملک فتح کرنے کے لیے آئے ہو، لیکن یہاں سے تمہیں اس مٹی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔''

انہیں اپنے دربار سے اس طرح برے طریقے سے نکالنے کے بعد یزدجرد نے رستم کو حکم بھیجا:

''ساباط سے کوچ کرو، قادسیہ پہنچو اور مسلمانوں کو کچل دو، ان کا نام و نشان مٹا دو۔''

رستم کے گرد اس وقت تک قریباً دو لاکھ فوج جمع ہو چکی تھی۔ اس کی فوج میں تین سو جنگی ہاتھی بھی تھے۔ وہ ساباط سے روانہ ہوا۔ قادسیہ کے میدان میں پہنچ کر اس نے عتیق کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

وہ بہت ذہین اور دور اندیش جرنیل تھا۔ عربوں کی بہادری سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ چاہتا تھا، مسلمانوں سے جنگ نہ لڑے اور صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔ مسلمان لڑے بغیر ہی لوٹ جائیں، چنانچہ اس نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو پیغام بھیجا:

''آپ اپنا کوئی خاص آدمی میرے پاس بھیجیں، میں صلح کی بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پہلے ربیع بن عامر اور پھر حضرت حذیفہ بن حصین رضی اللہ عنہ کو بھیجا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخری تیسری بار حضرت سعد نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

رستم نے ان کی آمد سے پہلے اپنے دربار کو خوب سجایا۔ دور دور تک بیش قیمت قالینوں کا فرش بچھوا دیا۔ راستے کے دونوں طرف نہایت اعلیٰ وردیوں میں ملبوس فوج کے دستے کھڑے کیے، پھر وہ خود اپنے امیروں اور وزیروں کے درمیان سونے کے تخت پر بیٹھ گیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ معمولی لباس پہنے بڑی بے نیازی سے رستم کے دربار میں داخل ہوئے اور سیدھے رستم کے ساتھ تخت پر جا بیٹھے۔ اس پر سارے درباریوں کے چہرے غصے سے تن گئے۔

چوبدار آگے بڑھے اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر تخت سے اتار لیا۔ اس پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے تو سنا تھا، ایران کے لوگ بہت مہذب ہوتے ہیں، لیکن یہاں آ کر پتا چلا

کہ وہ ایک شخص کو خدا بنا کر تخت پر بٹھا دیتے ہیں، اللہ کا شکر ہے، ہم عربوں میں یہ دستور نہیں۔ تم نے خود مجھے یہاں بلایا ہے، اس لیے میرے ساتھ تمہارا یہ سلوک، بالکل بھی مناسب نہیں، اگر تمہارے اخلاق یہی ہیں تو سمجھ لو، تمہارے آخری دن آ گئے۔"

رستم حضرت مغیرہ کی باتیں سن کر نرم ہو گیا، بولا:

"میں نے تمہیں اپنے پاس سے اٹھانے کا انہیں حکم نہیں دیا تھا، لیکن یہ تو بتاؤ، تم اپنی بوسیدہ تلواروں اور چھوٹے چھوٹے تیروں سے ہمارا مقابلہ کس طرح کرو گے۔"

اس پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بولے:

"میری تلوار بے شک بوسیدہ ہے، لیکن اس کی دھار بہت تیز ہے۔ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے۔ رہی بات تیروں کی، تو سن لو! آگ کا شعلہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، پھر بھی آگ ہے اور آگ کی خاصیت جلانا ہے، ہمارے تیر جب تم پر چلیں گے تو ان کا اثر معلوم ہو جائے گا۔"

اس گفتگو کے بعد رستم اصل بات کی طرف آ گیا۔ اس نے کہا:

"تم دیکھ رہے ہو، میرے پاس کتنی فوج ہے، کتنے ہاتھی ہیں، کتنا ساز و سامان ہے، میرا تمہیں مشورہ ہے، تم لوگ واپس چلے جاؤ، میں وعدہ کرتا ہوں، میری فوج تمہارا تعاقب نہیں کرے گی، بلکہ تمہارے سپہ سالار اور فوج کے دوسرے تمام افسروں اور سپاہیوں کو ان کے مرتبوں کے مطابق انعام دیا جائے گا۔"

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے پر جوش انداز میں اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"اگر تم دین حق قبول نہیں کرتے تو پھر جزیہ دینا قبول کرو، ورنہ تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

ان کی بات سن کر رستم غصے میں آ گیا اور تن کر بولا:

''آ فتاب کی قسم! اب تم سے ہرگز صلح نہیں ہوگی۔ میں کل تم سب کو ہلاک کر دوں گا۔''

مغیرہ پرسکون آواز میں بولے:

''بہت اچھا! جو اللہ چاہے گا، وہی ہوگا۔''

اس کے بعد وہ اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔ حضرت سعد کو ساری بات چیت سنائی۔ حضرت سعد نے اسی وقت مجاہدین کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ دوسرے دن مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان قادسیہ کی خون ریز جنگ کا آغاز ہوا۔ یہ جنگ تین دن جاری رہی اور آخر ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔

رستم کے دربار میں اس انداز سے جانے والے جلیل القدر صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ بنو ثقیف سے تھا۔ یہ قبیلہ طائف میں آباد تھا۔ بنو ثقیف بڑے جنگ جو اور بہادر لوگ تھے۔ طائف کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدترین سلوک کیا تھا۔ ان لوگوں کو 9 ہجری سے پہلے ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوئی تھی، تاہم چند خوش نصیب ضرور ایسے تھے جو پہلے ہی ایمان لے آئے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ یہ 5 ہجری میں ایمان لائے۔ اسلام لانے کے بعد یہ اپنا زیادہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارتے تھے۔ آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ 6 ہجری میں ہونے والی بیعت رضوان میں آپ شریک تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے غزوہ خیبر، فتح مکہ، غزوہ تبوک میں حصہ لیا۔ 9 ہجری میں طائف کے لوگ ایمان لانے کے لیے آئے تو یہ راستے میں انہیں مل گئے۔ اپنے ثقفی

بھائیوں کی بات سن کر بہت خوش ہوئے اور یہ خبر سنانے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف دوڑ پڑے۔ راستے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے۔ آپ نے پوچھا:

''مغیرہ! کیا بات ہے، اس طرح کیوں دوڑ رہے ہو؟''

انہوں نے کہا:

''میرے قبیلے کے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے آرہے ہیں، میں یہ خوش خبری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے جارہا ہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:

''تم یہ خوش خبری مجھے سنانے دو۔''

حضرت مغیرہ ان کا بہت احترام کرتے تھے، چنانچہ ان کی بات مان لی اور وہیں سے اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گئے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ خبر سنائی۔ آپ بہت خوش ہوئے، کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جن کی زیادتیوں پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کی خدمت میں بھیجا تھا تاکہ آپ حکم دیں تو وہ ان پہاڑوں کو الٹ دے، لیکن آپ نے فرمایا تھا، میں ایسا حکم کیوں دوں... ہوسکتا ہے، ان کی آیندہ نسلیں مسلمان ہوجائیں۔ سو آج یہ لوگ آخر مسلمان ہونے کے لیے آگئے تھے، آپ خوش کیوں نہ ہوتے۔ پھر مغیرہ بن شعبہ ان سب کو لیے آپ کی خدمت میں آئے۔ چند دن تک ان لوگوں کو قرآن سنایا گیا، دین کی باتیں بتائی گئیں، انہوں نے مسلمانوں کو نمازیں ادا کرتے دیکھا، آخر یہ لوگ ایمان لے آئے۔ اور جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا اور انہیں حکم دیا:

''وہاں جا کر بتوں کو توڑ دینا۔''

یہ لوگ لات بت کی پوجا کرتے تھے۔ اس سے بہت ڈرتے تھے۔ اس کی ہیبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی تھی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر سب بت توڑ ڈالے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے پورا بت خانہ گرا دیا۔

15 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرے کا گورنر مقرر فرمایا۔ اس دوران بھی انہوں نے کئی فتوحات کیں۔ اس کے بعد آپ کو کوفے کا والی مقرر کیا گیا۔

آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی کوفے کے گورنر مقرر ہوئے۔ آپ صرف ایک مجاہد ہی نہیں تھے، علم و فضل کے اعتبار سے بھی آپ کا ایک مقام تھا۔

اللہ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔

یمامہ کے جری

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی کام سے باہر گئیں۔ واپسی پر انہیں کچھ زیادہ دیر لگ گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''اتنی دیر کہاں لگا دی؟''

انہوں نے بتایا:

''اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، واپس آ رہی تھی کہ ایک قاری کی تلاوت کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ اس کی آواز میں کچھ ایسا سوز تھا، اتنا اثر تھا کہ میں اس میں محو ہو گئی، مجھے یوں محسوس ہوا، گویا میرے قدم زمین نے پکڑ لیے ہوں، بس اسی وجہ سے دیر ہو گئی۔''

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''اور تم نے اس قاری کو کس حال میں چھوڑا؟''

''جی! میرے آنے تک وہ تلاوت میں مشغول تھا۔''

یہ سنتے ہی آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، شوق کی زیادتی میں چادر بھی جلدی جلدی سنبھالی اور باہر تشریف لائے۔ اس جگہ تک پہنچے جہاں قاری تلاوت کر رہا تھا۔ آپ نے دیکھا، کچھ اور لوگ بھی رک کر ان کی قرأت سن رہے تھے اور ان پر محویت طاری تھی۔ یوں لگتا

تھا، جیسے ساری کائنات ساکت ہوگئی ہو۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمکنے لگا۔ زبان مبارک پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہوگئے:

''ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے، جس نے میری امت میں تم جیسے انسان کو پیدا کیا۔''

یہ خوش قسمت ترین انسان ابوعبداللہ سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عبداللہ سالم رضی اللہ عنہ کا شمار ان بڑے صحابہ میں ہوتا ہے، جو قرآن کریم کی قرأت کے امام تھے۔ حافظ تھے... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''قرآن سیکھنا ہے تو عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابوحذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے سیکھو۔''

ان چاروں میں بھی حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ عربی نہیں تھے، ایرانی تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سمجھ عطا فرمائی تھی، بلکہ اتنی مہارت عطا فرمائی تھی کہ خود اللہ کے رسول نے لوگوں کو ان سے قرآن حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔

آپ کے باپ دادا ایران کے تھے، باپ کا نام معقل یا عبید تھا۔ آپ ایک عورت کے غلام کی حیثیت سے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس نے آزاد کر دیا تو یہ کسی طرح مکہ مکرمہ آ گئے۔ وہاں حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا، اسی لیے آپ سالم بن ابوحذیفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابوحذیفہ ان سے بہت محبت کرتے تھے، اسی طرح حضرت سالم بھی ان پر جان چھڑکتے تھے۔ حضرت حذیفہ نے اپنی سگی بھتیجی فاطمہ بنت ولید کا نکاح ان سے کر دیا تھا۔ پھر جب اللہ کا حکم نازل ہوا کہ،

''منہ بولے بیٹے، حقیقی بیٹے نہیں ہوتے اور انہیں اپنے اصل باپوں ہی کے نام سے پکارا کرو۔''

تو لوگ انہیں سالم بن ابو حذیفہ کی بجائے سالم مولیٰ ابو حذیفہ کہنے لگے۔

حضرت سالم ابھی نوجوان ہی تھے کہ اللہ کے رسول نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا، لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلایا۔ اسلام کی دعوت ان کے کانوں میں پڑی تو حضرت ابو حذیفہ اور حضرت سالم نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ اس طرح سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

مکے میں آپ نے حضرت سالم کا بھائی چارہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے کرایا۔ ہجرت کا حکم ہوا تو آپ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مکے کی رہائش کے دوران آپ علم حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے، اس طرح انہیں دینی علوم میں ایک خاص مقام حاصل ہوگیا، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے انہیں مسجد قبا میں مسلمانوں کی امامت کرانے کا شرف حاصل ہوا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لائے۔ آپ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد حضرت سالم مستقل طور پر مسجد قبا میں امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔

بخاری کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے پیچھے نماز ادا کی...

جب یہ خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھتے تو سننے والوں پر ایک کیفیت طاری

ہو جاتی، خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قراٗت پر ناز تھا، اسی لیے آپ فرمایا کرتے تھے:

''لوگو! قرآن سالم (رضی اللہ عنہ) سے سیکھو۔''

مدینہ منورہ میں بھائی چارے کے موقع پر آپ نے حضرت سالم کو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ یہ ان کے بھائی تو بن گئے لیکن کبھی انہیں تکلیف دینے کی کوشش نہ کی، خود کماتے اور جو بچ رہتا، راہِ حق میں خرچ کر دیتے تھے۔

یہی نہیں کہ آپ قرآن کے بہت بڑے قاری تھے، عالم فاضل تھے، بلکہ آپ میدان جہاد کے بھی شیر تھے۔ بدر، احد، خندق اور دوسرے تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اور ہر بار میدان میں شجاعت دکھائی۔ آپ کی رفاقت کا حق ادا کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ آپ کے دور میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی خوفناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں انہوں نے اپنے منہ بولے باپ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی۔ اب تک مسلمانوں نے جتنی لڑائیاں لڑی تھیں، یہ ان میں سب سے زیادہ ہولناک جنگ تھی۔ سخت ترین لڑائی تھی۔ اس میں ایک طرف اسلام کے مجاہد تھے، وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے لڑ رہے تھے، دوسری طرف بنو حنیفہ کے لوگ تھے جو نبوت کے جھوٹے دعوے دار کے خلاف لڑ رہے تھے۔

اس لڑائی میں مہاجرین کا علم سالم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جب مرتدوں کا دباؤ بڑھا، اور مسلمانوں کے قدم اکھڑے تو سالم رضی اللہ عنہ ایک گڑھا کھود کر اس میں پاؤں

جما کر کھڑے ہو گئے اور للکارے:

''مسلمانو، افسوس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں تو ہم اس طرح میدان نہیں چھوڑتے تھے۔''

ان کی للکار سے مسلمانوں کے اکھڑے قدم پھر جم گئے۔ایک مجاہد نے غلط فہمی کی بنا پر کہہ دیا:

''ہمیں تمہاری طرف سے اندیشہ ہے، تم یہ علم کسی دوسرے کو دے دو۔''

یہ سن کر انہیں جوش آ گیا اور فرمایا:

''اگر میں اپنے آپ کو مسلمانوں کی علم برداری کا اہل ثابت نہ کروں تو مجھ سے بڑھ کر بدبخت حامل قرآن کوئی نہیں۔''

ابھی یہ الفاظ منہ ہی میں تھے کہ مرتدوں کا ایک زبردست ریلا آیا۔حضرت سالم رضی اللہ عنہ اس جوش سے لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیے، لیکن مرتدوں کا وہ ہجوم تھا کہ کسی طرح بھی کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ایک بدبخت نے دائیں ہاتھ پر تلوار کا بھرپور وار کیا، وہ کٹ کر دور جا گرا، انہوں نے علم بائیں ہاتھ میں تھام لیا، وہ بھی کٹ گیا تو دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کا حلقہ بنا کر علم کو تھام لیا اور سینے سے چمٹا لیا۔آخر مرتدوں نے تیروں، تلواروں اور نیزوں کے وار کر کے آپ کو چھلنی کر دیا۔

نزع کے عالم میں انہوں نے لوگوں سے پوچھا:

''ابوحذیفہ کا کیا حال ہے؟''

انہیں بتایا گیا:

''وہ جام شہادت نوش کر گئے۔''

اب انہوں نے پوچھا:

''میرا وہ بھائی کہاں ہے، جس نے مجھ پر اعتراض کیا تھا؟''

لوگوں نے بتایا:

''وہ بھی رتبۂ شہادت حاصل کر چکے ہیں۔''

تب آپ نے فرمایا:

''مجھے ان دونوں کے درمیان دفن کرنا۔''

ان الفاظ کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب ان کی روح نکلی، اس وقت ان کا سر حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے قدموں میں تھا۔

آپ نے شہادت کے وقت ترکے میں ایک گھوڑا، ہتھیار اور معمولی اسباب کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ تمام عمر جو کماتے رہے، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے، آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ چیزیں بیت المال میں جمع کرا دیں۔

آپ کے فضائل اور کمالات کے حضرت عمر اس قدر قدردان تھے کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا:

''اگر آج سالم موجود ہوتے تو خلافت کے لیے انہیں نامزد کرتا، مجلس شوریٰ کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔''

شہادت کے وقت آپ کی عمر 54 سال تھی۔

اللہ کی ان پر ہزار بار رحمتیں ہوں۔

بنوتمیم کا سردار

وہ بستر مرگ پر پڑے تھے۔ان کے تمام بیٹے ان کے بستر کے گرد جمع تھے۔بیٹوں کی تعداد 32 تھی۔اپنے آخری وقت میں انہوں نے بیٹوں کو نصیحت کی:

''پیارے بیٹو! میں اب تم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتا ہوں۔میری باتیں غور سے سنو، جب میں مرجاؤں تو اپنے سب سے بڑے بھائی کو اپنا سردار بنالینا۔اگر چھوٹے کو بنایا تو لوگ تم پر انگلیاں اٹھائیں گے۔ہمیشہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنا۔میری موت پر رونا دھونا نہیں، چیخنے چلانے سے پرہیز کرنا، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔اپنے مال کی اصلاح اور حفاظت سے غافل نہ ہونا، اس سے شریف لوگوں کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے اور کم ظرف لوگوں کا احسان نہیں لینا چاہیے۔اپنے اونٹوں کو نام ونمود کی خاطر ادھر ادھر دوڑاتے نہ پھرنا۔(اس وقت کی سواری اونٹ تھا، آج کار سمجھ لیں، کچھ دولت مند نام ونمود کے لیے کاریں بلاوجہ ادھر ادھر دوڑاتے نظر آتے ہیں) البتہ ضرورت کے وقت انہیں استعمال ضرور کرنا۔کم اصلوں میں رشتے نہ کرنا، ہوسکتا ہے، اس سے تمہیں وقتی خوشی حاصل ہوجائے، لیکن ایسا کرنے میں جو نقصانات پوشیدہ ہیں، یہ وقتی خوشی ان کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی، اپنے دشمن کی اولاد سے ہوشیار رہنا، ہوسکتا ہے، وہ اپنے بزرگوں کی طرح دل میں تم سے عناد رکھتی ہو۔جاہلیت کے زمانے میں میری

بکر بن وائل قبیلے سے دشمنی رہ چکی ہے، اس لیے میری قبر ان سے اتنی دور بنانا کہ وہ وہاں پہنچ نہ سکیں۔ ورنہ ڈر ہے کہ انتقام کے جوش میں وہ میری قبر کھود ڈالیں اور تم بدلہ لینے کے لیے کچھ کر گزرو جو تمہاری آخرت برباد کر دے۔''

یہاں تک کہہ کر وہ ذرا دیر کے لیے رکے، پھر ایک تیر اپنے بڑے بیٹے کو دیا، اس سے کہا:

''اس کو توڑ دو۔''

اس نے تیر لیا اور توڑ دیا۔ اب انہوں نے دو تین تیر اکٹھے دیے اور فرمایا:

''ملا کر ان کو توڑو۔''

وہ اس طرح ان کو نہ توڑ سکے۔ سب نے زور لگایا، لیکن تیر نہ ٹوٹے۔ اب وہ بولے:

''تم نے دیکھا، ایک تیر کتنی آسانی سے ٹوٹ گیا، لیکن جب تیر آپس میں مل گئے تو تم ان کو توڑ نہیں سکے، اسی طرح اگر تم سب بھائی آپس میں اتحاد اور اتفاق سے رہے تو کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، لیکن اگر تم الگ الگ ہو گئے تو تمہارا حال اس اکیلے تیر جیسا ہو گا۔ یاد رکھو، اتفاق و اتحاد میں برکت کا راز چھپا ہے۔''

اس وصیت کے بعد ان کے والد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی قیس بن عاصم منقری تمیمی رضی اللہ عنہ تھے۔

آپ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''تم میں جو زمانہ جاہلیت میں بلند مرتبہ تھے، وہ اسلام میں بھی بلند مرتبہ ہیں۔''

مطلب یہ کہ قیس بن عاصم اپنے قبیلے منقری کے سردار تھے۔ نہایت دولت منداور رعب اور دبدبے کے مالک تھے۔ ان کی شہ سواری اور سخاوت کی دھوم تھی۔ معاملات میں لوگ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ لوگوں کے آپس کے جھگڑے نپٹاتے تھے، اور اس کام میں انہیں بہت مہارت حاصل تھی۔ بکر بن وائل قبیلے سے ان کی پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔ اکثر جنگ وجدل کی نوبت آجاتی۔ قیس بن عاصم اپنی جنگی چالوں سے دشمن کو تنگ کر مارتے تھے۔

انہیں شعروشاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں انہوں نے اپنی ایک بچی کو زندہ دفن کیا تھا جیسا کہ اس وقت لوگ عام طور پر کرتے تھے۔ اپنے اس فعل پر انہیں تمام زندگی رنج رہا۔

جوانی میں شراب کے بھی عادی تھے، قریب قریب اس وقت کبھی نوجوان اس لت میں مبتلا تھے۔ ایک بار انہوں نے اتنی شراب پی کہ عقل جواب دے گئی۔ ہوش آیا تو بہت شرمسار ہوئے۔ منہ چھپاتے پھرے اور پھر شراب نوشی سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی۔ یہ تمام باتیں اسلام سے پہلے کی ہیں۔

9ہجری میں ان کا خاندان بنوتمیم جاہلیت کے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مدینہ منورہ آیا۔ اس وفد میں ستر، اسّی آدمی تھے۔ انہی میں قیس بن عاصم تھے۔ قبیلہ بنوتمیم کے دماغوں میں خاندانی فخر اور غرور بھرا ہوا تھا۔ اپنے ساتھ چوٹی کے خطیب اور شاعر لائے تھے تاکہ مسلمانوں پر اپنی خطابت اور شاعری کی دھاک بٹھا سکیں، آپ کے گھر کے باہر آکر بلند آواز سے کہنے لگے:

''محمد! باہر آؤ، اور ہماری بات سنو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انداز نا گوار گزرا، لیکن آپ نے انہیں کچھ نہ کہا۔ باہر تشریف لائے، مسکراکر ان سے ملے۔ وفد کے ایک رئیس اقرع بن حابس نے آپ سے کہا:

''محمد! ہم بنوتمیم کے لوگ ہیں، ہمارا دعویٰ ہے کہ کوئی قوم کسی بھی معاملے میں، ہم سے بڑھ کر نہیں ہے، ہم اسلام قبول کرنے سے پہلے خطابت اور شعروشاعری کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔''

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں شعروشاعری کے لیے مبعوث نہیں ہوا، لیکن اگر تم اسی لیے آئے ہوتو ہم اس میدان سے باہر بھی نہیں ہیں، تم اپنا کمال دکھاؤ، ہم جواب دیں گے۔''

اس پر بنوتمیم کے شعلہ بیان خطیب عطارد بن حاجب کھڑے ہوئے اور ایک زبردست خطبہ دیا۔ اس میں اپنے قبیلے کی خوبیاں بیان کیں اور یہ ثابت کیا کہ کوئی قوم بنوتمیم کے برابر نہیں۔

ان کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس انصاری کو حکم دیا کہ ان کی تقریر کا جواب دیں۔ انہوں نے اللہ کی تعریف کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت اور مہاجرین اور انصار کی فضیلت ایسے انداز میں بیان کی کہ ساری مجلس پر سکتہ طاری ہوگیا، اس کے بعد اشعار کی باری آئی۔ بنوتمیم کے سحرالبیان شاعر زبرقان بن بدر نے اپنی قوم کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا۔ ان کے مقابلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت کو حکم دیا کہ ان کی شاعری کا جواب دیں۔

حضرت حسان بن ثابت نے ایسے اشعار سنائے کہ سب نے دانتوں تلے انگلیاں دے لیں۔ پھر یہ اشعار پہلے سے تیار نہیں کیے گئے تھے، جیسے کہ زبرقان پہلے سے تیار کر کے لائے تھے۔ آخر وہ پکار اٹھے:

''محمد! ہمارے خطیب سے آپ کے خطیب اور ہمارے شاعر سے آپ کے شاعر افضل ہیں۔''

اس کے بعد وہ سب کے سب اسلام لے آئے۔ اس موقعے پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

- ''یہ صحرانشینوں کے سردار ہیں۔''

ابن سعد نے لکھا ہے کہ پھر آپ نے حضرت قیس کو صدقات کی وصولی کا کام سونپ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت دولت عطا کی تھی۔ اونٹ اور دوسرے مویشی ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''تمہیں اپنا مال پسند ہے یا اپنے وارثوں کا۔''

انہوں نے جواب دیا:

''اللہ کے رسول! مجھے اپنا مال پسند ہے۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''تمہارا مال تو وہی ہے جس کو تم کھا پی لو یا پہن اور اوڑھ کر بوسیدہ کر دو یا راہ حق میں صرف کر دو، ورنہ بچے رہنے والا مال تو تمہارے وارثوں کا ہی ہے۔''

اس پر انہوں نے کہا:

''زندگی نے مہلت دی تو اونٹوں کے گلے جلد ختم کردوں گا۔''

چنانچہ انہوں نے وفات سے پہلے ان کا بڑا حصہ ختم کردیا۔ جاہلیت کے زمانے میں جس بچی کو دفن کیا تھا، اس کا کفارہ بھی ادا کیا۔

آپ بہت نرم مزاج تھے۔ اسلام لانے کے بعد اور زیادہ نرم ہوگئے۔ ایک مرتبہ ان کے ایک بیٹے کو ان کے بھتیجے نے قتل کردیا۔ لوگ اسے پکڑ کر ان کی خدمت میں لے آئے۔ انہوں نے فرمایا:

''بھتیجے! تم نے کتنا برا کام کیا ہے، اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرکے، اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کی ہے، وہ تمہارا چچازاد بھائی تھا، اس لیے تم نے قطع رحمی بھی کی ہے۔''

دیر تک اسے نصیحتیں کرتے رہے، پھر دوسرے بیٹے سے فرمایا:

''اسے کھول دو، جانے دو اور اپنے بھائی کے کفن دفن کا انتظام کرو۔''

مورخوں کا خیال ہے کہ آپ نے غزوہ تبوک میں شرکت کی تھی۔

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور 14 ہجری میں وفات پائی۔

اللہ کی ان پر ہزار بار رحمتیں ہوں۔

روشنی کرنے والے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا۔ اس سلسلے میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے زمین کا ایک ٹکڑا پسند فرمایا۔ اس زمین کے مالک دو یتیم بچے حضرت سہل اور سہیل تھے۔ ان بچوں اور ان کی والدہ نے زمین قیمت کے بغیر دینے کی خواہش ظاہر کی، لیکن آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عطا فرمائے۔ میں یہ زمین قیمت کے بغیر نہیں لوں گا۔''

چنانچہ انہیں قیمت ادا کی گئی۔ اس کے بعد اس کی تعمیر شروع ہوئی۔ صحابہ کرام نے مسجد کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پتھر اور گارا ڈھوتے نظر آئے۔ اس طرح چند ماہ میں دنیا کی یہ مقدس مسجد تیار ہو گئی۔ یہ مسجد کچی اینٹوں کی تھی، پتھر بھی استعمال کیے گئے تھے۔ کھجور کی شاخیں اور تنوں کو کام میں لایا گیا تھا۔

مسجد میں رات کے وقت روشنی کا انتظام نہیں تھا۔ رات کے وقت مسجد تاریک رہتی، البتہ چاندنی راتوں میں لوگ چاند کی روشنی میں نماز ادا کرتے۔

ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو مسجد خوب روشن تھی، اس میں قندیلیں روشن کر کے رکھ دی گئی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کو روشن دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''یہ آج مسجد میں روشنی کس نے کی۔''

صحابہ کرام نے ایک صحابی کی طرف اشارہ کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا اور انہیں دعائیں دیں اور فرمایا:

''اگر میرے ہاں کوئی کنواری لڑکی ہوتی تو میں اس کا نکاح تم سے کر دیتا۔''

اس وقت مسجد نبوی میں آپ کے چچا زاد بھائی نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انہوں نے فوراً عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میری لڑکی بیوہ ہوگئی ہے، اگر آپ چاہیں تو اس کا نکاح ان سے کر دیں۔'' آپ نے تجویز منظور فرمائی اور اسی وقت نکاح کر دیا۔

یہ صاحب جنہوں نے سب سے پہلے مسجد روشن کی اور جن کا نکاح اس طرح ہوا اور جنہیں آپ نے مسجد روشن کرنے کی بنیاد پر دعائیں دیں، حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت تمیم بن اوس شام کے رہنے والے تھے۔ پہلے عیسائی تھے، ان کے باپ دادا میں سے ایک شخص کا نام دار تھا، اسی نسبت سے یہ داری مشہور ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت نیک طبیعت عطا فرمائی تھی۔ مکہ اور مدینہ کے اکثر لوگ تجارت کے لیے ان کے ملک شام جاتے رہتے تھے، ان حضرات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بارے میں سنا تو بے چین ہوگئے۔ حق کی طرف جھک گئے، لیکن کافی عرصہ تک اپنے آبائی وطن سے نکلنے کا موقع نہ پا سکے۔ یوں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ 9 ہجری میں اپنے بھائی نعیم کے ساتھ مدینہ منورہ آئے اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا۔ اگر چہ بہت بعد میں اسلام لائے، لیکن پھر بھی بڑے صحابہ میں شمار ہوئے، اسلام لانے کے بعد مدینہ منورہ ہی میں رہائش اختیار کی۔

مورخ ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شام سے مدینہ آتے ہوئے یہ اپنے ساتھ کچھ قندیلیں اوران میں جلانے کا تیل لائے تھے، مسجد نبوی کو انہوں نے ان قندیلوں سے روشن کیا تھا۔

یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کے گھر میں روشنی کا انتظام کیا۔ ایمان لانے کے بعد غزوہ تبوک میں شرکت کی۔ کچھ چھوٹی مہمات میں بھی شریک ہوئے اور جہاد کرتے رہے۔

آپ نے قرآن کا علم بھی حاصل کیا اور عالموں میں شمار ہوئے، بلکہ آپ قرآن کو جمع کرنے والے صحابہ میں شامل ہیں۔ اسلام سے پہلے چونکہ عیسائی تھے، اس لیے انجیل سے بھی واقف تھے۔ آپ نے ان کی گزر اوقات کے لیے انہیں ملک شام کا ایک گاؤں بطور جاگیر عطا فرمایا اور اس کا تحریری فرمان لکھ کر انہیں دیا تھا، جب کہ ابھی شام فتح نہیں ہوا تھا۔

حضرت تمیم داری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں مدینہ منورہ میں نہیں رہے بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور تک وہیں رہے۔ پھر اپنے وطن شام چلے گئے اور باقی زندگی آپ نے اس گاؤں میں گزاری۔ آپ نے وہیں 40 ہجری میں وفات پائی۔ آپ کے ہاں صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام رقیہ تھا۔ اسی نسبت سے آپ ابو رقیہ کہلاتے تھے۔

آپ کا شمار عالم فاضل صحابہ میں ہوتا ہے۔ عبادت گزار بہت تھے۔ اپنے اوقات کا

زیادہ تر وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ اکثر ساری رات نماز پڑھتے رہتے۔ تہجد کی تو سختی سے پابندی کرتے تھے۔ اللہ کا خوف بہت تھا۔ قرآن کریم کی آیات پر اکثر رو دیتے۔

ایک شخص نے آپ سے پوچھا، آپ رات بھر میں کتنی رکعات پڑھ لیتے ہیں، اس سوال سے ناراض ہوئے، فرمایا:

''میں لوگوں کی نظروں سے چھپ کر رات بھر میں صرف دو رکعت نماز پڑھ لوں، یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں کو بتاتا پھروں کہ میں رات بھر میں اتنی رکعات پڑھتا ہوں۔''

مطلب یہ کہ ریاکاری سے بہت بچتے تھے۔

ایک دن ان کے ایک شاگرد ان سے ملنے کے لیے گئے۔ انہوں نے دیکھا، وہ گھوڑے کے لیے دانہ صاف کر رہے تھے اور گھر کے دوسرے افراد ان کے پاس بیٹھے تھے۔ شاگرد نے حیران ہو کر پوچھا:

''کیا یہ کام گھر میں کوئی اور نہیں کر سکتا۔''

حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بھائی! کرنے کو تو کر سکتا ہے، لیکن اس صورت میں میرا اجر جاتا رہے گا۔ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، جب کوئی مسلمان اپنے گھوڑے کے لیے دانہ صاف کرتا ہے اور پھر اس کو کھلاتا ہے، تو ہر دانے کے بدلے اسے ایک نیکی ملتی ہے۔''

آپ عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے:

''تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچائے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک بار حرہ کے مقام پر آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے پھیل جانے سے کھجور کے باغات جل سکتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں آگ بھڑک اٹھنے کی اطلاع دی۔

حضرت تمیم فوراً حرہ گئے اور خود کو خطرے میں ڈال کر اس آگ کو بجھایا، مطلب یہ کہ لوگوں کے لیے ان میں خیر کا جذبہ بہت تھا، اسی بنیاد پر حضرت عمر نے انہیں خیرِ اہل المدینہ کا خطاب دے رکھا تھا۔ لوگ انہیں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہار رحمتیں ہوں۔ آمین،